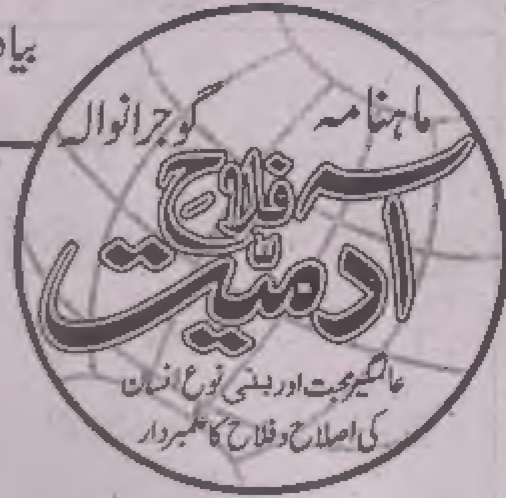
جلد 11 شمارہ 10 اگست 2009ء شعبان 1430ھ



ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت



بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-3003304

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : میاں علی رضا

ڈیزائنگ کمپوزنگ : محمد رفیق

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ــــــــ -/20 روپے

سالانہ فنڈ ــــــــ -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

نعت رسول مقبول ﷺ

پروفیسر محمد احمد شاد

کرم، بخشش، سخا، لطف و عطا، کہنا ہی پڑتا ہے
انہیں سب کچھ سدا، بعد از خدا، کہنا ہی پڑتا ہے

وہی تخلیق دو عالم کا باعث ہیں، حقیقت میں
انہی کو ہر زمانے کی بقا، کہنا ہی پڑتا ہے

زمانے کے اندھیروں کو، ضیاؤں کا چلن بخشا
انہیں شمع ہدیٰ، نور خدا، کہنا ہی پڑتا ہے

شفاعت کا وسیلہ ہے، انہی کا اسوۂ کامل
انہیں کو قربِ ایزد کی، بنا کہنا ہی پڑتا ہے

جہاں کے سب طبیبوں کی، سعی ہے رائیگاں ساری
انہی کی خاکِ پا کو بس، شفا کہنا ہی پڑتا ہے

انہی کے ذکر سے، قلب و نظر کو پر سکوں پایا
انہی کے نام کو رد بلا، کہنا ہی پڑتا ہے

سہارا زندگانی کا، مری تو شادؔ ہیں آقا
مجھے ہر بزم میں یہ برملا، کہنا ہی پڑتا ہے

دل کی بات

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ماہ رمضان کی آمد آمد ہے۔ اس مہینے کو نیکیوں کا موسم بہار بھی کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس مہینے کمر کس لیا کرتے تھے اور عام دنوں سے بڑھکر اللہ کی بندگی کا اہتمام فرماتے تھے۔ ایک حدیث قدسی ہے **"الصوم لی وانا اجزی بہ"** "روزہ میرے لئے ہے اور اسکی جزا میں خود ہوں سبحان اللہ۔ ایک بندہ مومن جو اللہ کی رضا و دیدار کا طالب ہے اس کے لئے اس سے بڑھکر خوشی کا موقع اور کیا ہوگا کہ اس کا محبوب روزے کے بدلے اپنی ملاقات کا مژدہ سنا رہا ہے۔ روزے میں سب سے زیادہ تنبیہ "نفس" پر ہوتی ہے کہ آدمی اسے اللہ کی بندگی کی راہ پر ڈال سکتا ہے۔ یہ مشق نفس کشی کی بجائے اصلاح نفس کہلاتی ہے جو کہ قبلہ انصاری صاحب کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ عام دنوں کے مقابلے میں اس ماہ میں نیکی اختیار کرنا اسی وجہ سے بدرجہا آسان ہے۔ اگر آدمی مصمم ارادہ کرلے کہ میں نے آج کے بعد نماز، ذکر یا کسی اور نیکی کی باقاعدگی کرنی ہے تو یہ مہینہ اس مشق کو شروع کرنے کیلئے انتہائی افضل ہے اور یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے۔ رمضان کی اہمیت و فضیلت کے متعلق نبی کریم ﷺ کے چند فرمودات راہنمائی کیلئے حاضر خدمت ہیں۔

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں لوگوں کو وعظ فرمایا "کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آ رہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے۔ بہت مبارک مہینہ ہے اس میں ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزاروں مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کے قیام یعنی تراویح کو ثواب کی چیز بنایا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ

اللہ کا قرب حاصل کرے ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں کسی فرض کو ادا کیا اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری کرنے کا ہے۔ اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کیلئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا۔ اور روزہ دار کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ ؐ نے فرمایا کہ یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ ایک کھجور سے کوئی افطار کرا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے یا ایک گھونٹ لسی پلا دے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام (خادم) کے بوجھ کو ہلکا کردے حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور آگ سے آزادی فرماتے ہیں اور چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو۔ جن میں دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔ جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے حق تعالیٰ قیامت کے دن میرے حوض سے اسکو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی"۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ ہمیں اس ماہ کی حقیقی رُوح عطا فرما دے اور ہم اِس ماہ کا حق ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

والسلام!

احمد رضا

درس قرآن

سورہ مریم

ڈاکٹر غلام مُرتضیٰ ملک

مضامین اور پس منظر

اِس سے قبل سورہ انعام اور سورہ کہف کے آغاز میں ہم نے اشارۃً مکی زندگی کے مختلف ادوار کا ذکر کیا۔ اس پس منظر میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ سورۃ مکی زندگی کے تیسرے دور کا نقطہ آغاز ہے جس میں قریش مکہ نے استہزاء و تمسخر، لالچ، خوف اور جھوٹے پراپیگنڈے میں ناکامی کے بعد مسلمانوں پر ظلم و جبر اور معاشرتی و معاشی مقاطعے کا آغاز کیا۔

غریب لوگوں اور غلاموں کو جسمانی اذیت دینے کے علاوہ اہل مکہ نے معاشی پریشانی کا ہتھیار بھی استعمال کیا کہ جو لوگ محنت و مزدوری کرتے تھے، ان سے کام کرالیا جاتا اور مزدوری کی ادائیگی کیلئے شرط یہ عائد کی جاتی کہ اسلام کا انکار کیا جائے۔ بلالؓ، عامرؓ، عمارؓ بن یاسرؓ اور ان کے خاندان کو دھوپ میں لٹا کر تڑپایا گیا۔

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ جو خود لوہار تھے اور اپنے فن کی وجہ سے ان کا نام ہر زبان پر تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک دن میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ بیت اللہ کے سائے میں بیٹھے تھے تو میں نے اہل مکہ کے ظلم و جبر کا ذکر کرکے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور آپؐ نے سابقہ اُمتوں کے اہل ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی ہڈیوں پر سے لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ گوشت چھیلا جاتا، اُن کے سروں پر آرے چلائے جاتے مگر وہ دین سے بیزار نہ ہوتے۔ ایک دن آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ

دین غالب ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ اکیلا آدمی صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اللہ کے علاوہ اس کو کسی چیز کا خوف اور کھٹکا نہ ہو گا"۔

آخر آپؐ نے نبوت کے پانچویں سال اپنے جانثاروں کو یہ ارشاد فرمایا:

"بہتر یہ ہے کہ تم حبشہ کی جانب چلے جاؤ کیونکہ اس سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا"۔

اس اجازت پر پہلا قافلہ، جو گیارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا، حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔ چند ماہ بعد 100 سے زائد افراد پر مشتمل ایک اور قافلے نے بھی ہجرت کی۔ اس ہجرت نے مکہ میں حشر برپا کر دیا کیونکہ اس ہجرت کی وجہ سے مکے کا ہر خاندان متاثر ہوا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل مکہ اسلام دشمنی میں پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور بعض لوگ ان واقعات سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب بھی یہی ہے۔ کیونکہ عمرؓ کی ایک عزیزہ لیلیٰ بنت حشمہ اور ان کے خاوند عامر بن ربیعہ کی ہجرت کی تیاری دیکھ کر عمرؓ کے دل پر چوٹ لگی اور انہوں نے اسلام کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ ان کے اسلام کی صورت میں ظاہر ہوا۔

حبشہ کی اس ہجرت کے بعد قریش نے باہم مشورے سے طے کیا کہ ایک وفد نجاشی سے مل کر اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ان مسلمانوں کو اہل مکہ کے حوالہ کر دے۔ اس مقصد کیلئے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص کو بیش قیمت تحائف کے ساتھ حبشہ روانہ کیا گیا۔ انہوں نے حبشہ پہنچ کر پہلے درباریوں سے ملاقاتیں کیں اور تحائف پیش کئے تا کہ وہ نجاشی کے دربار میں اہل مکہ کی سفارش کریں۔ پھر یہ دونوں سفیر تحائف سمیت نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نذرانہ پیش کرنے کے بعد کہا:

"ہمارے شہر کے کچھ نادان اپنا آبائی دین چھوڑ کر آپ کے علاقہ میں پناہ گزین ہو گئے ہیں حالانکہ انہوں نے آپ کا دین بھی نہیں اپنایا بلکہ ایک نیا دین گھڑ لیا ہے"۔

یہ سنتے ہی درباریوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ "ایسے لوگوں کا رکھنا ٹھیک نہیں۔ ان کی قوم

ان کے عیوب سے آگاہ ہے، ان کو واپس کر دیا جائے۔" نجاشی جو ایک جہاں دیدہ اور دور اندیش آدمی تھا، اس شور کو سن کر بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ "جن لوگوں نے مجھ پر اعتماد کر کے میرے ملک میں پناہ لی ہے، میں ان کے ساتھ بلا تحقیق یہ معاملہ نہ کروں گا"۔

اگلے روز تمام مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا گیا۔ سبھی نے مشورہ سے طے کیا کہ ہم وہی بات کہیں گے جو ہمیں نبی اکرم ﷺ نے سکھائی ہے۔ اگلے روز دربار میں نجاشی نے جب نئے دین کے بارے میں سوال کیا تو جعفر طیارؓ نے کھڑے ہو کر کہا:۔

"ہم عرب اس سے قبل ہر قسم کی اخلاقی و معاشرتی برائی میں مبتلا تھے۔ جاہلیت کا دور دورہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہم میں ایک نبی مبعوث فرمایا۔ ان لوگوں نے ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑے تو ہم اپنے نبی ﷺ کی اجازت سے آپ کے ملک میں یہ سوچ کر پناہ لینے کیلئے آ گئے کہ یہاں پر ظلم نہ ہو گا"۔

اس پر نجاشی نے کہا کہ تمہارے نبی ﷺ پر جو کلام نازل ہوا ہے وہ سناؤ۔ سیدنا جعفرؓ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ نجاشی سنتا رہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہے۔ جب سیدنا جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے کہا:۔

"یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ایک منبع سے نکلی ہیں اور ایک ہی جیسے کلام پر مشتمل ہیں۔"

پھر نجاشی نے اہل مکہ سے کہا کہ ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔ ناکام واپس جانے کے بعد دوسرے روز پھر یہ لوگ نجاشی سے ملے اور کہا کہ یہ لوگ آپ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی توہین بھی کرتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے ان حضرات کو دوبارہ بلا بھیجا تو جعفر طیارؓ نے اس کی وضاحت میں سورہ مریم کی آیات تلاوت کیں اور کہا:۔

"سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں نیز آپ وہ روح اور کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم کی طرف القاء کیا۔"

نجاشی نے اس بات کی تائید کی اور اہل مکہ کے تحائف واپس کر دیئے اور مسلمانوں سے کہا

کہ آپ لوگ سکون کے ساتھ یہاں رہیں۔

اس پس منظر کے بعد اس سورہ کے مضامین پر غور کریں تو اس کا اجمالی خاکہ یوں ہے:۔

سیدنا زکریا، یحییٰ، عیسیٰ و مریم علیہم السلام کے واقعات مسلمانوں کو اظہارِ حق اور تعلیم حقیقت کے طور پر بتائے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعے سے اہل مکہ کو اشارۃً بتلایا کہ تم اسی طرح گمراہ اور دین کے دشمن ہو جیسے تمہارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی قوم تھی۔ غور کرو کہ انجام کار ابراہیم علیہ السلام کو غلبہ اور تسلط ملا۔ یہی حال اس دور کا ہے کہ ملت ابراہیمی کے پیروکاروں یعنی مسلمانوں کو پھر غلبہ، تسلط اور اقتدار ملے گا اور ان کے سارے دشمنوں کے گلے میں ذلت کا طوق ہوگا۔ پھر مختلف انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کا ذکر کر کے بتایا کہ وہ سارے انہی تعلیمات کے امین بنائے گئے جو محمد ﷺ پیش کرتے ہیں۔ مگر ان کے کج فہم اور نا اہل ورثاء نے ان کی تعلیمات مسخ کر دیں اور دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ سورۃ کے آخر میں اہل مکہ کی اعتقادی و نظریاتی گمراہی پر اصلاحی انداز اختیار کرتے ہوئے تنقید کی گئی اور اہل ایمان کو ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور ان کی طرح مرجع خلائق ہونے کی نوید سنائی گئی۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کھیعص ٥ ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا ٥

اذ نادی ربہ نداءً خفیا ٥ قال رب انی وھن العظم منی واشتعل الراس شیبًا ولم اکن بدعائک رب شقیًا ٥ (مریم: 1-4)

"تمہارے رب کی مہربانی کا بیان ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی، جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کے باعث سفید ہونے لگا ہے اور میرے رب میں آپ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔

زکریا علیہ السلام کی دُعا

سورۃ کے شروع میں حضرت زکریا علیہ السلام کی وہ دُعا مذکور ہے جو انہوں نے

اپنے پروردگار سے مانگی جو انہیں وہ نصیب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عین بڑھاپے میں اولاد کی
خوشخبری عطا کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب اولاد کی نعمت ملنے کی خبر ملتی ہے تو وہ حیران
ہوتے کہ اس بڑھاپے میں اولاد ملے گی؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں یحییٰ نام کا بیٹا عطا کیا جن کو منصب
نبوت پر فائز کیا گیا

کتاب الٰہی تھامنے کیلئے قوت کی ضرورت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

یحیی خذ الکتب بقوة واتیه الحکم صبیاo

''اے یحییٰ یہ کتاب ہے، اس کو قوت سے پکڑنا،، (مریم 12)

اس کتاب کو اپنانے کیلئے قوت چاہئے اس کو نافذ کرنے کیلئے بھی قوت چاہئے، یہ بیٹھ کر وظیفے مردوں میں آرام سے تلاوت کی جانے والی کتاب نہیں بلکہ یہ پوری قوت کے ساتھ معاشرے پر لاگو کرنے کی چیز ہے اور اس کیلئے حکم یہ ہے کہ قوت کے حصول میں پوری تیاری کریں۔ کیونکہ اسلام غالب ہونے اور غالب کرنے کیلئے آیا ہے۔ یہ محکومیت اور پسپائی کا دین نہیں ہے۔

پاکدامنی کیا ہے؟

یحییٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ہی سیدہ مریم علیہا السلام کا ذکر ہے جس میں ان پاکدامن خاتون پر کیے گئے انعامات کا ذکر ہے۔ اس واقعے میں ایک بات خاص طور پر قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ ایک پاکدامن خاتون کا سامنا اگر کسی غیر مرد سے ہوتا ہے تو وہ اس سے بات چیت میں طوالت اختیار کرنے کی بجائے رب کی پناہ چاہتی ہے تاکہ شیطان گناہ کی جانب راغب نہ کرسکے یا تہمت کا موقع پیدا نہ ہو۔ حدیث شریف میں بھی محمد ﷺ کا یہ فرمان تو دلیل میں ہے کہ

اتقوا مواضع التهم ''تہمت کے مقام سے بھی بچو''۔

سیدہ مریم نے جب فرشتے کو انسانی شکل میں دیکھا تو فوراً کہا۔

قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیاo

"جو لیس ہو اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں"۔ (مریم 18)

اللہ تعالیٰ کی ایک خاص سنت

اس کے بعد اس نیک بی بی کی زندگی کے ایک نازک ترین لمحے کا ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بچے سے نوازا اس کا یوں ذکر ہے

فحملته فانتبذت به مكانا قصياo

فاجاء ها المخاض الى جذع النخلة قالت يليتني مت قبل هذا و كنت نسيا منسيًاo

فنادها من تحتها الا تحزني قد جعل ربك تحتك سريًاo

وهزي اليك بجذع النخلة تسقط عليك رُطبا جنيًاo

فكلي واشربي وقري عينًاo

"مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔ پھر زچگی کے درد نے انہیں ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ (گھبرا کر) کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ فرشتے نے پائیں سے اسے پکارا کہ غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا۔ تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر"۔ (مریم 23-26)

یہ تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے ایک ایسا بچہ دنیا میں پیدا کیا جس کا باپ نہیں تھا۔ صرف اللہ کے حکم سے سیدہ مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی

نصرت الٰہی کب اور کیسے؟۔۔۔ایک اہم قاعدہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے معجزے کے طور پر بہت سے کام کر دیئے۔ کھجور کے درخت کو ہلا دیا۔ اس کے خوشے جھکا دئے۔ پانی کا چشمہ بھی پیدا کر دیا جہاں انہوں نے چاہا کہ

تھی اور ان کی خدمت کیلئے جنت سے حوریں اور فرشتے بھیج دیے۔ اتنے سارے معجزے اللہ تعالیٰ نے کر دیے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تازہ اور پکی ہوئی کھجوریں خود ٹوٹ کر سیدہ مریم کے منہ میں ڈال دی جاتیں؟ چشمے کا پانی انہیں پلا دیا جاتا؟ لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ چشمہ رواں کر دیا۔ پھل پکا دیے۔ سب کچھ کر دیا اور فرمایا "یہ جو درخت کا تنا ہے اسے خود ہلاؤ۔ پھل تمہارے اوپر گریں گے اور ان پھلوں کو کھاؤ"۔

ایسا کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درخت کے تنے کو بیٹھے بیٹھے ہلانا تو سیدہ مریم کے بس میں تھا اور جو کام انسان کے بس میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسی سے کرواتے ہیں اور جو انسان کے بس میں نہیں، وہ معجزے کے طور پر خود کر دیتے ہیں اور یہی قانونِ فطرت ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایک شخص ہل نہ چلائے، نہ زمین کو نرم کرے، نہ اس میں بیج ڈالے، نہ کھاد ڈالے نہ کھیت کو پانی دے اور دعا کرے کہ "اے اللہ! مجھے اس کھیت سے مالا مال کر دے" ایسا نہیں ہو سکتا۔

قبولیتِ دعا کیلئے اہم شرط

دعا ایک عجیب عمل ہے کیونکہ دعا اس وقت مانگی جاتی ہے جب انسان جو کچھ اس کے بس میں ہے، کر چکے کہ زمین کو نرم کرے، اس میں ہل چلا کر اس میں بیج اور کھاد ڈالے، وقت پر پانی دے اور پھر یوں دعا مانگے۔

"اے اللہ! میں تو بس اتنا ہی کر سکتا ہوں، اب اس بیج کو پھاڑ کے اس میں سے کونپل اگانا میرے بس کی بات نہیں ہے اے اللہ یہ تو ہی کرے گا"۔

اسی طرح ایک اور مثال سمجھئے! ایک شخص شادی ہی نہ کرے اور کہے "اے اللہ! مجھے اولاد عطا کر۔" ایسا آدمی بیوقوف آدمی ہے کیونکہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ ہاں! اس ضابطہ فطرت کے خلاف وہ کبھی کبھی معجزات ظاہر کرتا ہے مگر عمومی قاعدہ ایک ہی ہے کہ جس چیز کا انسان مکلف ہے اور جو اس کے بس میں بھی ہے وہ خود ہی کرے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی گود میں بولنا

اس ساری تفصیل کے بعد پھر اصل واقعہ کی جانب لوٹتے ہیں کہ سیدہ مریم وضع

حمل کے بعد نومولود کو لے کر قوم کے پاس پہنچیں تو قوم نے الزام تراشی شروع کر دی۔ وہ سب کچھ سن کر سیدہ مریم علیہا السلام نے خاموشی اختیار کی اور فرمان الٰہی کے مطابق اشارہ کیا جس کو قرآن نے یوں نقل کیا ہے۔

فاشارت الیه قالوا کیف نکلم من کان فی المهد صبیًا○ قال انی عبد الله اتٰنی الکتب و جعلنی نبیا○

"مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم ایسے شخص سے کیوں کر باتیں کریں جو ابھی گود کا بچہ ہے۔ وہ (بچہ خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب (یعنی انجیل) دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے"۔ (مریم 29-30)

ان الفاظ سے گویا سیدہ مریم علیہا السلام کی پاکدامنی پر مہر تصدیق ثبت کرا دی گئی۔ اس کے بعد حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

ذلك عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیه یمترون○ ما کان لله ان یتخذ من ولد سبحنه اذا قضی امرًا فانما یقول له کن فیکون○

وان الله ربی وربکم فاعبدوه هذا صراط مستقیم○

"یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں اور یہی سچی بات ہے جس میں یہ لوگ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ بالکل پاک ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو ارشاد فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے۔" (مریم 34-36)

یہ وہ سچائی ہے جس کو ان کرشموں نے بھی بھڑکا اٹھا تھا اور پھر اس نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی اس سے نہ ایک تنکا زیادہ تھے اور نہ کم۔

عالمگیر حقیقت۔۔۔ ملکیت نہیں امانت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور مسلمہ حقیقت کو واضح فرما دیا ہے کہ خود

فریبی کا شکار انسان عقل و شعور سے کام لے اور شیطانی جال سے نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ کی بے ساختگی اور روانی ملاحظہ کریں۔

انا نحن نرث الارض ومن عليها والينا يرجعون۰

"بے شک ہم ہی زمین اور اس پر بسنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہوگا۔" (مریم 40)

اللہ تعالیٰ کے وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ زمین پر موجود ہر شے اسی کی اصل ملکیت ہے۔ یہاں پر رہنے والی مخلوقات اور خصوصاً انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ مال و متاع کچھ عرصہ کیلئے بطور امانت دیا ہے تاکہ وہ اس کی امانتداری کا امتحان لے سکے۔

درحقیقت مالک ہر شے خداست
ایں امانت چند روزہ نزد ماست

انسان دیکھنے میں کروڑ پتی ہوتا ہے لیکن موت کے ایک ہی جھٹکے سے ہر شے حتیٰ کہ اس کی جان بھی اس سے چھین لی جاتی ہے اور انجام کار ہر چیز اصل وارث یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتی ہے

یہی وجہ ہے قرآن میں دنیوی زندگی کو ایک کھیل، ایک تماشہ، ایک طویل دورانیے کا ڈرامہ قرار دیا گیا ہے۔ کبھی کوئی اپنے آپ کو بادشاہ بنائے بیٹھا ہے اور کوئی تہی دامن۔ مگر جونہی ڈرامہ ختم ہوتا ہے تو قبر میں اترتے وقت بادشاہ اور تہی دامن میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

روزے روز روز نہیں آتے

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

جب تک زندگی کا مقصود اور اسلام کی حقیقت معلوم نہ ہو تقویٰ کی اہمیت سمجھ میں آ سکتی ہے نہ ہی رمضان المبارک کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا۔ حیات ارضی کے دوران اس کی حقیقی کامیابی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا اور متاع حیات کی محبت میں نہ پھنسے بلکہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرے اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے۔ دین اسلام کی فرض عبادات کا مقصود اہل ایمان میں یہی جذبہ پیدا کرنا اور اسے ترقی دے کر کمال تک پہنچانا ہے۔ یہی تقویٰ کی حقیقی روح ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے دنیا و مافیہا کی محبت اور نفس کی ہوا و ہوس سے بچتا ہوا اللہ کی محبت کو بڑھاتا چلا جائے اور مرتبہ احسان تک پہنچ کر اس کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ یہ تقویٰ ہی کا کمال ہے جو مومن کو متاع غرور سے بے نیاز کر کے ایمان کی معراج تک پہنچا دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ اسی طرح اللہ کی محبت تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ آخرت ان متقین کے لئے ہے جو دنیا میں ظلم و ستم اور جبر کے ذریعے بڑائی کے خواہاں نہیں ہوتے بلکہ اس کے عاجز بندے اور اس کی مخلوق کے بے لوث خادم بن کر زندہ رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی متقین کی ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف

ہوگی جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔ اہل تقویٰ کی شان کے برعکس یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی صلاحیتیں صرف دنیا کے حصول میں صرف کر ڈالیں یعنی تقویٰ کی راہ اختیار ہی نہ کی۔ اہل ایمان کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ مال و اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔ جو بھی ایسا کریں گے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم کے شروع میں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس کتاب سے رہنمائی اور ہدایت ان لوگوں کو عطا ہوگی جو تقویٰ والی بندگی بسر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کے خواہاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں انسان کیلئے ہی پیدا فرمائی ہیں تاکہ وہ انہیں کام میں لائے اور اپنے رب کے احسانات تسلیم کرکے اس کی شکر گزاری کا رویہ اپنائے اور اس کی محبت کی راہ میں برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ تقویٰ کا تقاضا بس یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کی محبت میں پھنس کر اللہ کو نہ بھولے۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر ایک صحابی نے تقویٰ کی وضاحت کے اظہار کیلئے ایک نہایت عمدہ مثال بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح خاردار جھاڑیوں کے درمیان واقع کسی راستہ پر چلتے ہوئے انسان اپنی چادر کو سمیٹ کر چلتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں الجھ جانے سے پھٹ جائے اور وقت بھی ضائع ہو۔ یہی تقویٰ کی مثال ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت اوڑھ کر ایک بھاری امانت قبول کر لی جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑ عاجز آگئے تھے۔ اب کامیاب انسان وہی ٹھہرے گا جو اس خارزار حیات میں اللہ کی محبت کی چادر کو صحیح و سالم اور بے داغ لے کر گزر جائے۔ یہ کٹھن منزل صرف تقویٰ کے بل بوتے پر ہی طے کی جا سکتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ رمضان المبارک کے روزوں کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے اہل ایمان گذشتہ امتوں کی طرح تم پر بھی روزے لکھ دیے گئے ہیں تاکہ تم تقویٰ حاصل کر سکو۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تقویٰ کے حصول کیلئے روزہ ہی بہترین، لازمی اور یقینی ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے ہر دور کے انسانوں کی تربیت کیلئے اسے فرض قرار دیا گیا۔

تقویٰ کے دو جزو ہیں پہلا ماسوا اللہ کے کانٹوں سے اپنا دامن بچانا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ تقویٰ کی تقویت کیلئے سالانہ روزوں کے تربیتی کورس میں ان دونوں پہلوؤں کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ ایک طرف پورا دن بھوکا پیاسا رکھنے کا اہتمام ہے تاکہ اہل ایمان کھانے، پینے اور جنسی جبلتوں کو ترک کرکے یہ ثابت کردیں کہ ہم اپنے محبوب حقیقی کی رضا کیلئے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ ان حلال چیزوں سے اپنے نفس کو روکنے کی مشق سے غرض و غایت یہ ہے کہ تقویٰ کا وہ ملکہ حاصل کیا جائے جس کی مدد سے ہر اس چیز سے بچا جا سکے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کا روزہ ہے اور جس نے جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ گویا ماکولات و مشروبات سے رکنے کی مشق کا اصل مقصد اپنے سرکش نفس کو لگام ڈالنا اور منکرات سے باز رہنا ہے۔ یہی امر صوم یعنی روزے کی بنیادی حقیقت ہے کیونکہ صوم کے لفظی معنی کسی چیز سے باز رہنا ہے۔ دوسری عبادات میں کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں لیکن روزے میں ان کے برعکس اپنے آپ کو چند کاموں سے روک کر رکھنا ہوتا ہے۔ یہ Self Control یعنی ضبط نفس کی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کے اس پہلو کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو فروغ دینے اور اس

کا قرب حاصل کرنے کیلئے نماز تراویح، نوافل، صدقات اور قرآن کریم کی کثرت کے ساتھ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ سحری کے وقت بیدار ہو کر نماز تہجد کی خصوصی برکات حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تمام دنیاوی سرگرمیاں قطع کر کے اللہ کے گھر میں معتکف ہو جانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹ لی جائے۔ دین اسلام کے اس سالانہ روحانی تربیتی نظام سے اگر کما حقہ استفادہ کیا جائے تو دوسرے کسی چلے اور مجاہدے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم کے نزول والے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیشہ کیلئے خصوصی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا مہینہ بنا دیا ہے۔ اس ماہ کی نفلی عبادت سے فرضوں کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے اور فرائض کا ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کا ظاہری ثبوت تو اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کی جوش و خروش کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے ملی ہوئی اس روحانی سہولت سے حقیقی فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں دور کریں تاکہ اللہ کا مزید قرب حاصل کر سکیں۔ اگر ہم سچے دل سے سدھرنے کا ارادہ کر لیں تو اس ماہ کی برکت سے باہر سے کوئی شیطانی طاقت ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔ لیکن اگر ہمارا اپنا ارادہ ہی یہ ہو کہ ایک ماہ کی بھوک پیاس کی مشقت کے بعد عید کے روز اپنی گزشتہ روش کی طرف لوٹ جانا ہے پھر تو معاملہ کی نوعیت ہی مختلف ہو گی۔ اللہ تعالیٰ انہی کی مدد فرماتے ہیں جو اپنی مدد آپ کرنے کی ہمت کرتے ہیں۔ وہ ہماری حالت کو صرف اس صورت میں بدلتے ہیں جب ہم خود اپنے نفوس کو بدلنے کیلئے کمربستہ ہو جائیں۔

اگر ہمیں اللہ کی محبت کی فکر رہے، میدان حشر میں اس کے سامنے پیشی کی فکر ہو، اس کی رضا و رحمت اور جنت کی سچی طلب ہو تو سب مہینوں کا یہ سردار مہینہ اللہ تعالیٰ کی ایک بیش بہا نعمت ہے۔ جو

رحمتیں رمضان شریف میں نازل ہوتی ہیں وہ دوسرے مہینوں میں بھلا کہاں نصیب ہو سکتی ہیں۔
رمضان المبارک کے روزوں کی برکتوں کا مقابلہ پورے سال کے روزے بھی نہیں کر سکتے۔ ایسے
روزے روز روز نہیں آتے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کرنے اور عفو و درگذر کے
التجائیں کرنے کا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ پوری ہمت صرف کر دیں۔ قلت طعام و منام
کی مشق کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر، کثرت تلاوت قرآن، کثرت درود شریف، کثرت صدقات
اور سرکشی کی روش ترک کریں اور ہمارے اندر صراط مستقیم پر چلنے، اخلاق کا تزکیہ کرنے اور اللہ
تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر قوی اور راسخ ہو جائے کہ سال بھر کیلئے کافی ہو جائے
ہر کورس اور ہر تربیتی مشق کا اصل ہدف انسانوں کی سوچ اور ان کے کردار میں تبدیلی لانا ہوتا ہے۔
ہمیں بھی چاہیے کہ ہم عید کے دن اپنے قلب و نفس کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ہمارے اندر تقویٰ کی
مطلوبہ قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس بات پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے
کم ہے کیونکہ مہینہ بھر کی محنت کا یہ ثمر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔ یہی اصل عید اور عید کا حقیقی
پیغام ہے کہ ماہ شوال کا چاند ہمیں ایک بدلا ہوا انسان پائے۔

مذمت سوال

پیر خان توحیدی

بھیک مانگنے کی جس قدر مذمت اسلام میں کی گئی ہے۔ شاید ہی کسی مذہب میں کی گئی ہو، کچھ کم ڈیڑھ سو روایتیں سوال کی مذمت میں حدیث کی مختلف کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ سوال کے انسداد کو رسول خدا ﷺ اس قدر مہتم بالشان تصور فرماتے تھے جس طرح آپ توحید اور نماز پنجگانہ کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لیے لوگوں کو سوال سے باز رکھنے میں بہت اہتمام صرف رکھتے تھے۔ چنانچہ عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے روایت ہے کہ ہم سات آٹھ آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہم سے فرمایا۔ کیا تم خدا کے رسول سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے فوراً ہاتھ بڑھا دیئے۔ مگر چونکہ ہم چند ہی روز پہلے بیعت کر چکے تھے ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم تو ابھی بیعت کر چکے ہیں۔ اب ہم سے دوبارہ کس بات پر بیعت لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس بات پر کہ خدا کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو احکام الٰہی بجا لاؤ اور پھر آہستہ سے ارشاد فرمایا۔ **ولا تسألوا الناس بشیء**۔ یعنی لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔ اس روایت کے بعد عبد الرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے بعد لوگوں میں سے (جنہوں نے بیعت کی تھی) بعض لوگوں کو دیکھا کہ اگر ان کے ہاتھ سے سواری کی حالت میں کوڑا بھی گر جاتا تو نیچے اتر کر خود اٹھا لیتے لیکن کسی سے سوال نہ کرتے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیعت مذکورہ کا اصل مقصد خاص کر سوال کرنے کی برائی ان کے ذہن نشین کرانی تھی جس پر صحابہؓ نے عمل کر کے مصائب جھیلنا تکلیفیں برداشت کرنا پسند فرمایا لیکن کسی سے سوال کرنا ہرگز پسند نہ فرمایا۔ بے شمار روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سائل سے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے اور جو شخص بغیر اضطراری حالت کے سوال کے ذریعے سے کچھ وصول کرتا تھا اس کو اس کے حق میں حرام سمجھتے تھے اور جو شخص ایک وقت کی

خوراک موجود ہونے پر سوال کرنا اس کی سخت مذمت فرماتے کہ وہ اپنے لئے آتش دوزخ طلب کرتا ہے اور بار بار آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنی رسی لے کر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لادے اور فروخت کرے تا کہ خدا تعالیٰ اس کی حاجت کو رفع کرے تو اس کے حق میں بہت بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے پھر وہ اس کو کچھ دیں یا دھتکار دیں۔

آنحضرتؐ ایک روز مع اصحابؓ مکان کے باہر تشریف فرما تھے۔ ایک شخص کا گزر وہاں سے ہوا۔ لوگوں نے کہا یا حضرت ﷺ یہ شخص شب و روز مصروف عبادت رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر اس کے کھانے پینے کا گزر کس طرح چلتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا بھائی اس کے خورد و نوش کا بندوبست کر دیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کے بھائی کا درجہ ثواب میں اس کی عبادت سے بہت زیادہ ہے جو اس کو کھانا پہنچاتا ہے اور اسے عبادت کرنے کے قابل بناتا ہے۔ عبادت کے ساتھ کسب حلال بھی ضروری ہے ورنہ دوسروں پر بوجھ ڈال کر عبادت کرنا سود مند نہیں۔

درویش ہے وہی جو ریاضت میں چست ہے
تارک نہیں فقیر بھی راحت پرست ہے

ایک دفعہ انصار میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں کچھ مانگنے کو حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تیرے گھر کچھ نہیں ہے؟ اُس نے عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول ﷺ ایک موٹی سی کمبل ہے اس کا کچھ حصہ بچھا لیتا ہوں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں۔ اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا دونوں میرے پاس لے آؤ۔ وہ دونوں چیزیں لے کر حاضر ہوا۔ آپؐ نے ان کو ہاتھوں میں لے کر لوگوں سے فرمایا ہے کوئی ان کو خریدنے والا؟ ایک شخص نے کہا میں ان کو ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے دو تین بار فرمایا کوئی ایک درہم سے زیادہ دے سکتا ہے؟ ایک شخص اُٹھا اور کہا کہ میں دو درہم دے سکتا ہوں۔ آپؐ نے دونوں چیزیں اسے دے کر دو

درہم اسے لئے اور اس انصاری کو فرمایا ایک درہم کا کھانا لیکر اپنے گھر پہنچا دے اور دوسرے سے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لا، وہ کلہاڑی خرید کر حاضر ہوا آپؐ نے اپنے دست مبارک سے لکڑی کا ایک دستہ اس میں ٹھونک دیا اور فرمایا جا کر لکڑیاں کاٹ اور بیچ۔ اب میں پندرہ دن تک تجھ کو نہ دیکھوں وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بیچنے لگا پھر جب آپ کی خدمت میں آیا تو اس کے پاس دس درہم جمع ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ تیرے لئے بہتر ہے کہ جب تو قیامت کے دن آئے تو تیرے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ نہ ہو سوال کرنا صرف اس شخص کو حلال ہے جو سخت محتاج اور معذور ہو یا جس کے ذمے بھاری تاوان ہو یا جس کی گردن پر خون بہا ہو اس کے علاوہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ دوسروں کے سامنے دست دراز کرے۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک سائل نے آ کر سوال کیا آپ نے اسے بھوکا سمجھ کر اس کو کھانا کھلانے کا حکم دیا تھوڑی دیر کے بعد اس نے آ کر پھر صدا دی۔ معلوم ہوا کہ یہ وہی سائل ہے اور کھانا کھانے کے بعد اب پھر مانگتا ہے آپؓ نے اس کو دیکھا اور دیکھا کہ اس کی جھولی روٹی کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپؓ نے جھولی کا ایک سرا پکڑ کر اس کو اونٹوں کے آگے جھاڑ دیا اور فرمایا تو سائل نہیں ہے بلکہ تاجر ہے

قبیصہ بن مخارقؓ سے روایت ہے کہ میں کسی شخص کا ضامن ہو گیا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ میری ضمانت ادا کرنے کا بندوبست کر دیجئے آپ نے فرمایا ذرا توقف کرو۔ ہمارے پاس زکوٰۃ کا مال آ جائے تو تم کو اس میں سے دے دیں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے قبیصہ سوال ان تین شخصوں کے سوا کسی کیلئے حلال نہیں۔

اول۔ وہ شخص جو سخت آفت میں مبتلا ہو اس کا مال ضائع ہو گیا ہو اس کو بقدر ضرورت سوال کرنا حلال ہے۔

دوم۔ وہ شخص جو کسی کا ضامن ہو اس کو بقدر ادائے ضمانت سوال کرنا حلال ہے اس کے بعد سوال سے باز رہنا چاہئے

سوم۔ وہ شخص جس کو فاقہ و ضرورت شدید درپیش ہو اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی اس کی ضرورت کی تصدیق کریں۔

مختصر یہ اس کے علاوہ جو کوئی سوال کرے وہ مال حرام کھاتا ہے اور جو شخص بلا ضرورت سوال کرے اس کی گواہی رد کی جاتی ہے۔

علم اقتصاد کے علماء کا اتفاق ہے کہ جس قدر بھیک مانگنے والوں کی تعداد کسی قوم میں زیادہ ہوتی ہے اسی قدر خرابیاں اس میں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(1) قوم کی دولت روز بروز گھٹتی ہے۔

(2) دولت کے ساتھ قوت بھی زائل ہوتی ہے۔

(3) سعی و محنت کی عادت روز بروز زوال پذیر ہوتی ہے۔

(4) کاہل اور فاقہ مست لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔

(5) بے حیائی اور بے غیرتی کو ترقی ہوتی ہے۔

(6) مفت خوری کی وجہ سے قوم میں آوارگی اور بداطواری پھیلتی ہے۔

اس کے علاوہ روحانی امراض میں بھی اضافہ ہوتا ہے مثلاً

(1) خدا پر توکل نہیں رہتا، خدا کو بھیک مانگنے کا آلہ قرار دیتا ہے ایسے ہی شخص کی نسبت آپؐ نے فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو اللہ کا نام لے کر سوال کرے۔

(2) رسول خدا کی وقعت بھی اس کے دل میں نہیں رہتی وہ جانتا ہے کہ بھیک مانگنے میں خدا کے رسول کا واسطہ دینے سے تو ہر مسلمان آدمی کو کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑے گا۔

(3) یہ شخص کفران نعمت کا بھی مجرم ہوتا ہے کیونکہ جو کچھ مانگ کر جمع کرتا ہے اس کا چھپانا اور باوجود استطاعت کے مفلسی کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

(4) بالآخر کذب و ریاکاری جیسے سخت گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور ان باتوں کو اپنی کامیابی کا بہترین ذریعہ قرار دیتا ہے

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاتھ تین ہیں اول دستِ خداوند جو سب سے بالا ہے دوسرا دستِ دہندہ یعنی دینے والا ہاتھ جو دستِ خداوند کے پیچھے ہے تیسرا دستِ گیرندہ یعنی لینے والا ہاتھ جو سب سے پست ترین ہے نیز فرمایا۔ سوال بدترین ذلت ہے خواہ باپ ہی سے کیوں نہ ہو۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ جو شخص کسب کا محتاج ہو گر وہ جماعت کے ساتھ نماز کو جائے تو اسے اس دن سوال کی ضرورت ہوگی آپ نے فرمایا وہ مزدوری کرے اور نماز تنہا پڑھ لے۔ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا خدا رحمت کرے اس بندے پر جو پارسا ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرے۔

جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹا میں نے صبر کو چکھا اور پوست درخت کو کھایا پس مجھے کوئی چیز تلخ (فقر سے زیادہ) معلوم نہیں ہوئی۔ اے بیٹا خدا نخواستہ اگر تو کبھی اس میں مبتلا ہو جائے تو لوگوں کو اس پر مطلع نہ کرنا کہ تجھے خوار کریں اور تجھ کو نفع اس سے نہ پہنچے گا۔ پس تو رجوع کر اس کی طرف جس نے تجھے اس میں مبتلا کیا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب چھوڑ کر مسجد میں بیٹھ جانا اور یہ دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھے رزق دے اور میرے کام کر دے خلاف سنت ہے تمہیں معلوم ہی ہے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا لہذا آدمی کو اپنی روزی حاصل کرنے کیلئے محنت اور لگن سے کام کرنا چاہیے۔

جناب جعفر صادقؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی تم میں سے چاہے کہ خداوند عالم میرا کوئی سوال رد نہ کرے پس اس کا لازم ہے کہ تمام مخلوق سے مایوس رہے اور رزاق عالم پر امید واثق رکھے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اس کے قلب کا یہ حال دیکھا تو پھر اس کی کوئی حاجت نہ ہوگی جو پوری نہ ہو جائے۔

لطیفہ۔ ایک بڑھیا نے سر راہ چارپائی بچھا کر اس پر بھیک کے ٹکڑے سوکھنے کیلئے ڈال

رکھے تھے۔ ایک اونٹ نے چلتے چلتے گردن بڑھا کر دو چار ٹکڑے اس میں سے اٹھا کر کھا لئے۔ بڑھیا نے اونٹ والے کو کوسنا شروع کیا۔ لوگ جمع ہو گئے اونٹ والے کو برا بھلا کہا وہ بھی ایک طرف ہو کر رونے لگ گیا۔ لوگوں نے اس سے طریقہ گریہ کا باعث پوچھا تو اس نے کہا اس بڑھیا کے دو چار ٹکڑے ہی ضائع گئے۔ لیکن میرا اونٹ تو ہمیشہ کیلئے ہی بے کار ہو گیا ہے۔ چونکہ ضعیف کے ٹکڑے اس کے منہ کو لگ گئے ہیں اب یہ اونٹ کام نہ دے گا۔

تمثیل۔ کسی بادشاہ نے ایک حسین گداگر لڑکی کو مغلوبِ محبت ہو کر داخل حرم شاہی کر لیا۔ ایک دن بادشاہ اچانک محل میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس لڑکی نے گداگری کا لباس پہنا ہوا ہے اور سات طاقوں میں سوکھے ٹکڑے اور طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے ہیں وہ لڑکی ہر طاق کے سامنے فقیرانہ صدا بلند کرتی ہے اور اس سے تھوڑا تھوڑا جھولی میں ڈالتی جاتی ہے۔ بادشاہ نے اس کا باعث دریافت کیا تو لڑکی نے درخواست جان بخشی کے بعد عرض کی۔ یہ سوکھے ٹکڑے اور طرح طرح کے کھانے میرے رگ و ریشہ اور گوشت پوست میں اس قدر سرایت کر چکے ہیں کہ یہ عادت اب طبیعت ثانی بن چکی ہے۔ اس طریقہ کے بغیر دسترخوان پر مجھے بہتر سے بہتر کھانا مرغوبِ خاطر نہیں ہوتا بادشاہ یہ سن کے بہت پشیمان ہوا اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

روایت ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی عادت تھی کہ لباس بدل کر راتوں کو اکیلے پھرا کرتے تھے۔ کوئی ملتا تو اس سے پوچھتے کہ داؤد کی کیا خصلت ہے۔ نیک ہے؟ ایک دن جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں آپ سے ملے حضرت نے پوچھا داؤد کے حق میں تو کیا کہتا ہے جبرائیل علیہ السلام نے کہا داؤد پیغمبر ہے صاحب کتاب ہے اور بادشاہ بھی ہے۔ مگر ایک خصلت نہ ہوتی تو بہت اچھا تھا یعنی روزی اپنے کسب سے پیدا کرتا اور بیت المال سے نہ کھاتا تو اس کے خصائل حمیدہ میں بہت بڑا اضافہ ہوتا۔ حضرت داؤدؑ یہ سن کر پھرے اور جناب الٰہی میں رو کر دعا

کی تمام اعمال میں مجھے کوئی کسب نہیں آتا۔ ایک حرف سکھا دیں جس سے میری روزی چلے۔ حق تعالیٰ
نے زرہ بنانا انہیں تعلیم دی۔ پس پیغمبروں نے کسب حلال سے روزی پیدا کی تو سب کو لازم ہے۔
کسب حلال سے اپنی روزی پیدا کریں۔ حلال ذریعہ سے روزی کمانا اور محنت مشقت کرنا ہر شخص
پر فرض ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا یقیناً گناہ اور قابل مواخذہ عمل ہوگا۔

حاصل مضمون ۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ غیر مستحق سائلوں کی داد و دہش سے یک قلم
ہاتھ روک لیں اور جہاں تک ہو سکے مستحقین کی امداد کی جائے۔ جو باوجود استحقاق کے کسی حالت
میں سوال نہیں کرتے یا جو تحت مجبوری یا ناداری کی حالت میں سوال کرتے ہیں کیونکہ غیر مستحق
سائلوں کے ساتھ کوئی سلوک اور کوئی بھلائی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ان کو اس بے غیرتی
سے شرمی کے پیشے سے باز رکھا جائے۔ اور قوم کے حق میں اس سے زیادہ کوئی احسان نہیں ہو سکتا
کہ بھیک مانگنے کا بدترین پیشہ جو مرض متعدی کی طرح افراد قوم میں سرایت کرتا جاتا ہے اور جس
سے روز بروز گداگروں کی تعداد ملک میں زیادہ ہوتی جاتی ہے رفتہ رفتہ اس کی بیخ کنی کی جائے۔
لہٰذا یہ سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حدود اختیار میں جہاں تک ان کی دسترس ہو اس
کمینہ رسم کا تدارک اور انسداد کریں۔ جو ہماری برائیوں میں ایک برائی ہے۔

انسان، قرآن اور ماہ رمضان

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

جب تک انسان کی حقیقت اور اس کی زندگی کا مقصد معلوم نہ ہو دین اسلام کے احکام کی حکمت اور اہمیت اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے انسانی زندگی کی جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا اس دنیا سے نہیں ہوتی اور نہ ہی موت اس کا انجام ہے۔ تمام انسانوں کی ارواح روز ازل ہی وجود میں آگئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق اپنی اپنی باری پر اس دنیا میں آکر جلوہ گر ہوتی ہیں اور مقررہ مدت بسر کرنے کے بعد واپس چلی جاتی ہیں۔ قرآن سے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرما کر ملائکہ پر فضیلت عطا فرمائی لیکن ابلیس نے اس کی برتری تسلیم نہ کی اور آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ نسل انسانی کا دشمن بن گیا اور اس کو صراط مستقیم سے ہٹانے کیلئے اپنی ذریت، اور لشکر اور تمام حربوں سے بس پوری طرح مصروف عمل ہے۔ اللہ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کو کچھ عرصہ کیلئے جنت میں رکھا تاکہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو جائیں۔ اللہ نے انہیں واضح طور پر ایک درخت سے دور رہنے کا حکم فرمایا لیکن ابلیس نے انہیں نافرمانی پر اکسایا۔ ابلیس نے خود بھی اللہ کے واضح حکم کے باوجود سجدہ نہیں کیا تھا اور منطقی دلائل پیش کرنے کی وجہ سے مردود ہو گیا۔ اس نے ان دونوں کو بھی مختلف دلائل دینے شروع کئے اور ساتھ ہی قسمیں کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلا کر فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن ابلیس کے برخلاف جونہی غلطی پر آگاہ ہو گیا آدم علیہ السلام نے ندامت کا اظہار کیا اور اللہ سے سیکھے ہوئے کلمات کے ذریعے سے مغفرت طلب کی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ازلی اور پیدائشی گناہ کا نظریہ درست نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام کو زمین کی خلافت عطا کرنے کیلئے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ اس لئے انسان کو اس مادی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ توانائیوں

اہلیتوں کے ظہور اور اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے بھیجی گیا ہے۔ عالم ارواح ہی میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام ارواح کو نکال کر اس سے اپنی ربوبیت کا پختہ عہد لے لیا تاکہ مادی دنیا کی بھول بھلیوں، عالم اسباب کے پردوں، نفس کی سرکشی اور سفلی لذت میں انہماک کی وجہ سے کوئی انسان اس وہم اور گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میں بالکل آزاد اور اپنی مرضی کا مالک ہوں نہ کوئی میرا آقا و رب ہے اور نہ ہی میں کسی کے سامنے اپنے اعمال کیلئے جوابدہ ہوں۔ یا پھر اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے کسی کو اپنا رب بنا کر ظلم عظیم کا مرتکب ہو جائے۔ قرآن وضاحت کرتا ہے کہ یہ عہد اس لئے لیا گیا "تاکہ کوئی انسان روز قیامت یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ اور نہ ہی یہ بہانہ بنا سکے کہ آباؤ اجداد کی گمراہی کی وجہ سے میں حقیقت کو نہ جان سکا"۔ اگر چہ یہ عہد عام انسانوں کو شعوری طور پر ہرگز یاد نہیں لیکن روح کی گہرائیوں میں موجود ہے۔ مرنے کے بعد جب مادے کے حجابات اٹھ جائیں گے تو پھر سب کچھ یاد آ جائے گا۔ حیات ارضی میں انسان کے طرز عمل اور اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس عہد الست کو تسلیم کرنے یا اس سے انکار کر دینے پر ہے۔ اللہ کی بے پایاں رحمت نے اس عہد پر ہی اکتفا نہ فرمایا بلکہ آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے سے پہلے فرما دیا: "میری طرف سے تمہیں ہدایت اور راہنمائی آتی رہے گی۔ جو اس پر چلیں گے نہ ان کو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ میری آیات کو نہیں مانیں گے اور جھٹلائیں گے تو وہ لوگ آگ کے عذاب کے مستحق ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔ (البقرہ۔ 39.38)

اس مادی زندگی کی تربیت گاہ میں ہر چیز انسان کی سہولت اور خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اولاد آدم کا فرض منصبی اور خلافت ارضی کا یہ تقاضا ہے کہ ان تمام چیزوں کو زیر تسخیر کر کے اپنی اہلیت کو ثابت کرے۔ اسی جدوجہد ہی میں اس کی روح کی ترقی اور شخصیت کی تکمیل کا راز بھی پوشیدہ ہے۔ اسلام مادی دنیا سے بیزاری اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسے تسخیر کر کے آگے ہی آگے بڑھنے اور اللہ کو اپنی منزل بنانے کی ترغیب دیتا ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا

کہاں تک نہیں آب و گل سے مہجوری
کہاں تک ہے تمیز خاکی و نوری

لیکن جو انسان متاع دنیا کو سب کچھ سمجھ کر اس مزینت گاہ ہی سے دل لگا لے اور اللہ کے رسولوں کی یاددہانی کے باوجود بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہ لائے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ اب اس کی نگاہوں سے نہ صرف زندگی کا مقصد اوجھل ہو جائے گا بلکہ اپنی ذات کی حقیقت سے بھی بیگانہ ہو جائے گا۔ ایسا انسان سفلی جذبات کی تسکین اور مادی لذات کے حصول میں غرق ہو کر حیوانوں کی سطح پر گر جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کی فلاح اس امر میں ہے کہ دنیا کی نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے بھی اس کی محبت میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ساری خرابی دنیوی زندگی کو اخروی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا بھی فرمان ہے **حب الدنیا راس الخطیئۃ** "یعنی دنیا کی محبت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے" سب سے زیادہ محبت انسان کو اپنے اللہ سے رکھنی چاہیے۔ جو اس کا معبود اور محبوب ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 165 میں ارشاد ہوا "جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں"۔

صرف اسی طرز فکر ہی سے انسان ماسوا اللہ کے خوف سے نجات پا کر حقیقی آزادی اور اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ میرا مالک حقیقی اور رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے سموات و ارض کی ساری نعمتیں میری تربیت اور آزمائش کیلئے تخلیق فرمائی ہیں۔ مجھے اللہ کے پاس واپس لوٹنا ہے۔ جہاں مادی دنیا میں میری کارکردگی کی مناسبت سے مجھے جزا یا سزا ملے گی۔ تو وہ مومن یعنی حقیقت کو ماننے والا کہلوائے گا۔ اب اسے اپنی منزل کی فکر دامنگیر ہو جائے گی۔ کس طرح بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے

ہوئے دنیا کے منفی اثرات سے بچ کر اللہ کے قرب کی منزل کی طرف رواں دواں رہ سکے۔ اس جذبہ کو تقویٰ کا نام دیا جاتا ہے۔ گرچہ اس کے معنی خوف، ڈر اور پرہیزگاری کے بھی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی محبت کی کشش کے معنی بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔ آپ سادگی کی خاطر تقویٰ کو "فکر منزل" کہہ لیں۔ یہ فکر جس قدر قوی ہوگی اتنا ہی ایک مومن ان خواہشات، جذبات اور اعمال سے بچنے کی کوشش کرے گا جو اسے اللہ کی یاد سے غافل کر دیں اور اس جدوجہد میں لگ جائے گا کہ زندگی اللہ کی منشاء کے مطابق گزار سکے تاکہ اس کے قرب اور رضا کا مقام حاصل کر سکے۔
اس طرح نوع انسانی دو بنیادی گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی الوہیت، رسولوں کی رسالت اور یوم آخرت کا انکار کرنے والے کفار کی ملت اور ان حقائق کو مان کر اللہ کی حاکمیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے مسلمانوں کی ملت۔ اللہ کے نظام کے تحت کفار کی حمایت کرنے انہیں اندھیروں کی طرف لیجانے، ان کے برے اعمال کو ان کے سامنے خوشنما بنا کر دکھانے اور عذاب دوزخ کی طرف لے جانے والے شیاطین کی فوجیں موجود ہیں۔ اس طاغوتی لشکر کا سرگروہ ابلیس ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کی راہنمائی کرنے اور انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے والے رسولوں کا مبارک گروہ ہے جس کے سردار سید المرسلین حضور رحمۃ للعالمین رسول ثقلین سرکار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ خود مومنوں کا دوست، حمایتی اور مددگار ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کیلئے ان پر رحمتوں کا نزول فرماتے ہیں۔ (الاحزاب 42)
"اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والے اور اس کے گرد جو فرشتے ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتے اور اہل ایمان کیلئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ کہ اے اللہ تو انہیں بخش دے، مغفرت فرما، انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا کر جنت میں داخل فرما اور جو ان کے باپ دادا، ان کی بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی جنت میں داخل فرما"۔ (سورہ المومن 8,7) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین پر کس قدر رحیم ہیں اور اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کیلئے کیا کیا انتظامات کر

رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ کے انسانوں کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے، ان کی زندگی کی غرض و غایت سے آگاہ کرنے اور اپنے قرب کی طرف لے جانے والی سیدھی راہ کی نشاندہی کرنے کیلئے حضور خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور آپ پر گذشتہ تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی، قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہدایت مہیا کرنے والی اور کامل ترین نظام حیات پیش کرنے والی کتاب "القرآن" نازل فرمائی۔ اس کتاب کی فصاحت و بلاغت، اس کا انداز تبشیر و تنذیر، اس میں اللہ کی الوہیت اور ربوبیت پر دیے گئے ناقابل تردید دلائل، اس میں بیان کردہ قصص و امثال، گذشتہ اقوام عالم کے حالات، آخرت اور زندگی کی حقیقت اور اس میں پیش آنے والے واقعات نیکوکاروں اور مجرموں سے کئے جانے والے معاملات کی تفصیل اپنے اندر غافل لوگوں اور خوابیدہ ضمیروں کو بیدار کرنے اور سینوں کو منور کرنے کے تمام سامان لئے ہوئے ہے لیکن اس سے صحیح راہنمائی اور ہدایت حاصل کرنے کیلئے سب سے بنیادی شرط تقویٰ کا ہونا ہے۔ جسے اپنے رب سے ملاقات ہونے کا یقین ہی نہ ہو اس میں صراط مستقیم معلوم کرنے کی طلب بھلا کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہر شے کی قدر و قیمت طلب ہی سے متعین ہوتی ہے۔

اگرچہ انسانی تاریخ، فلسفہ، نفسیات، طبعیات، فلکیات اور روحانیات کے غیر مسلم علماء بھی اس کے مطالب و معانی کی گہرائی اور وسعت جان کر حیران و ششدر رہ جاتے اور اپنے اپنے علمی مقام کے مطابق اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کا اصل مقصد نوع انسان کو ہدایت مہیا کرنا ہے اور اسے وہی حاصل کر سکتا ہے جس کے اندر تقویٰ، فکر آخرت اور ذوق پیدا ہو گا۔ جو شخص اس جذبہ سے عاری ہو اس کا علم خواہ کتنا ہی متنوع اور وسیع ہو، قرآن کی حقیقی روح سے ناآشنا اور اس سے فیضیاب ہونے سے محروم رہے گا۔ اس کتاب سے ہدایت کا اکتساب تقویٰ کے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے جیسے ایک مومن میں تقویٰ بڑھتا چلا جاتا ہے

دیے دیے قرآنی اسرار و رموز اور اسلام کی حقانیت کیلئے اس کا سینہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ اس سے یہ امر روشن ہو کر سامنے آ گیا کہ قرآنی ہدایت اور تقویٰ میں ایک خصوصی ربط و تعلق ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا اور ترقی کرتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس خیر و خوبی کے مصدر کی خشت اول اسلامی طرز حیات کا بنیادی اصول کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی انسان سچے دل سے یہ حقیقت تسلیم کر لے کہ میرا معبود اور حاکم اللہ ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کی اطاعت اور اتباع ہی میں میری دنیوی اور اخروی فلاح ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کا بنیادی پیغام اور نبی کی تعلیم کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یوم آخرت پر ایمان لا کر موت کے بعد اس حقیقی اور ابدی زندگی کو دنیا کی عارضی زندگی پر ترجیح اور فوقیت دینا ہے۔ ان عبادات کی ادائیگی سے ایک مومن اپنا قلبی تعلق متاعِ دنیا سے توڑ کر اللہ کی ربوبیت کا عملی اقرار روز عملی اظہار کرتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز ہی کو لے لیں جسے حضور ﷺ نے دین کا ستون اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔ اس کے ذریعے سے مومن تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اپنے گھر، اہل و عیال، کاروبار، ملازمت اور جسمانی راحت و آرام کی محبت کو توڑتا رہتا ہے تاکہ یہ تعلق پختہ ہو کر خسران کا باعث نہ بن جائے۔ روزہ متاعِ غرور دنیا و ہم و گمان سے اپنا رشتہ منقطع کر کے اللہ کے حضور اپنا سر نیاز خم کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی دعاؤں کا قبلہ اور محبت کا مرکز صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بابرکت ذات ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج بھی مال و زر، اہل و عیال اور دیس وطن کی محبت کو حد اعتدال پر لا کر اللہ سے اپنا تعلق بڑھانے کے وسائل ہیں۔

قرآن کی سورۃ توبہ کی آیت نمبر 111 میں ارشاد ہوا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے اموال اور ان کی جانیں جنت کے بدلے خرید لئے ہیں" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک

حدیث مبارکہ بھی ہے کہ "تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی خواہشات کو اس کے تابع نہ کر لو جو میں لایا ہوں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام خواہشات کو اپنے رب کی رضا کے ماتحت کر دے۔ اس معیار کے حصول کیلئے نفس کے سرکش گھوڑے کو اطاعت کی مضبوط لگام دینا اور مادی لذات کی محبت کو منقطع کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ اہم مقصد ایک مربوط اور پُر حکمت تربیتی نظام کا تقاضہ کرتا ہے۔ چنانچہ اسی غرض کیلئے مومنین پر روزے فرض کئے گئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ "اللہ کی طرف سے یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ گذشتہ تمام امتوں کو بھی نفس کی اصلاح کر کے تقویٰ کو تقویت دینے کیلئے یہی کارگر نسخہ عطا کیا گیا تھا۔ انسانی نفس کی یہ فطرت ہے کہ فاقے سے کمزور اور مضمحل ہو کر اپنی زندگی اور ہیبت سے رُک جاتا ہے اور اس کی اس حالت سے فائدہ اٹھا کر اسے اللہ کی اطاعت اور بندگی کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحشی گھوڑوں کو سرکس میں مختلف کرتب دکھانے کی تربیت دینے کیلئے بھی پہلے انہیں کئی کئی دن بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے اور پھر اپنی خوراک تک پہنچنے کیلئے مطلوبہ کرتب کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس لئے مومنین کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ روزے کا مقصد بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ نفس کی اصلاح کرنا ہے۔ اس لئے اس مقصد کو شعوری طور پر پیش نظر رکھتے ہوئے، بھوک کی حالت میں جسم کے تمام اعضاء اور نفس کی خواہشات کو احکام الٰہی کا پابند بنا کر روزے سے حقیقی فائدہ اٹھانا چاہئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کی اس حدیث کا مصداق ہم بن جائیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کئی روزہ دار ایسے ہوں گے جنہیں روزے سے بھوک پیاس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا"۔

آخر میں ان حکمتوں اور برکتوں کا ذکر کرنا ہے جو ماہ رمضان کو ماہ صیام قرار دینے میں ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ انسانوں کو ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کے نزول کا شرف ماہ

رمضان کو عطا ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ مہینہ ہمیشہ کیلئے خصوصی رحمتوں اور برکتوں کا حامل بن گیا ہے۔ اس مہینہ کی ایک خاص رات لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کی انفرادیت سے نواز گیا۔ بعض روایات کے مطابق گذشتہ آسمانی کتابیں بھی اسی ماہ مبارک میں اتاری گئی تھیں۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے اسے خاص طور پر اللہ کا مہینہ فرمایا ہے۔ اللہ کی رحمت سے اس میں برائی کے اثرات کم اور نیکی کے ثمرات کئی گنا زیادہ کر دئے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند اور رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے جس سے نفس کو زیر کر کے روحانی قوتوں کو ترقی دینے یعنی تقویٰ کو فروغ دینے کیلئے اس ماہ سے بہتر مہینہ اور کوئی ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہماری سہولت کیلئے اللہ رحیم و کریم نے ماہ رمضان ہی کو ماہ صیام قرار دے دیا تاکہ اس کی رحمتیں اور برکتیں بھی ہماری معاون بن جائیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے قرآن نازل فرمایا لیکن اس نور سے استفادہ تقویٰ کی عدم موجودگی میں ممکن ہی نہیں چنانچہ قرآن کریم کے شروع میں فرما دیا گیا کہ اس کتاب میں متقین کیلئے ہدایت ہے۔ اسی مناسبت سے قرآن کے نزول والے بابرکت مہینہ ہی کو تقویٰ کی ترقی کیلئے مخصوص فرما دیا گیا۔ اسی لئے پورے عالم اسلام میں اس ماہ کے دوران کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور سماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تاکہ روزے سے حاصل ہونے والی روحانی صلاحیت کی بدولت مومنین پر قرآن کی حقانیت روشن سے روشن تر ہوتی چلی جائے اور اسلام ان کے دلوں میں گھر کر جائے اور پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو کر اللہ کے انعام و اکرام کے حقدار بن جائیں۔

ماہ صیام کی تربیت اگر پورے اہتمام اور ظاہری اور معنوی لوازمات کی کامل پابندی کے ساتھ مکمل کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اس کے اثرات قائم نہ

رہیں۔ اگر کبھی تقویٰ میں کمزوری محسوس ہونے لگے تو نفلی و سنت روزوں سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ ایک ڈھال ہے۔ تو مومن کو چاہیے کہ اپنے حقیقی دشمن یعنی شیطان کے حملوں کو روکنے کیلئے اس دفاعی ہتھیار کو پوری قوت و شدت سے استعمال بھی کرے۔ جب بھی شیطان کی طرف سے کسی حرام کام کے ارتکاب کیلئے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو مومن کو چاہیے کہ ماہ رمضان کے دوران ضبط نفس کی تربیت کو یاد رکھے۔ یہی لمحہ مومن کے ایمان اور تقویٰ کے امتحان کا ہوتا ہے۔ جو مومن بندہ ماہ رمضان میں اپنے رب کے حکم پر روزے کے دوران حلال رزق اور جائز جنسی خواہشات سے بھی اپنے آپ کو روک لیتا ہے اس کیلئے کسی حرام فعل کا ارتکاب یا اللہ کی معصیت سے اپنے آپ کو باز رکھنا تو آسان ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی کردار کے حامل لوگ متقین کہلاتے ہیں۔ اور آخرت میں جنت کی نعمتیں بھی متقین کے لئے ہی وقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو رمضان المبارک کی برکتوں سے کامل طور پر مستفیض فرما کر متقین و مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین

قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ

انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

قرآن پاک سائنس کی انتہا ہے

سائنس اور قرآن حکیم کے دائرہ کار کو سمجھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو سائنس کی انتہاء ہے وہ کلام اللہ کی ابتداء ہے۔ جب کہ قرآن حکیم "کل" ہے سائنس "جز" ہے۔ آپ اس بات کو قرآن حکیم کے وژن (Vision) اور مقصد (Mission Statement) میں دیکھ سکتے ہیں جو سورہ فاتحہ (opening Sura) کا مضمون ہے فرمایا **الحمد لله رب العلمين○ الرحمن الرحيم○ مالك يوم الدين○**

یہاں قرآن ایک دنیا کی نہیں دنیاؤں کی بات کرتا ہے، ایک کائنات کی نہیں کائناتوں کی بات کرتا ہے اور پھر یہ بھی بتاتا ہے کہ کائناتیں فانی ہیں جو بھی ہمیشہ کیلئے نہیں۔ پھر یوم حساب ہوگا۔ ابھی تو بیسویں صدی کے آخر میں سائنس کی آخری حد کا مضمون رہا ہے اور اب لگی ہے کہ کائنات میں ہمارے علاوہ بھی ایسے اور سیارے ہونگے جہاں انسان بستے ہیں۔ ورنہ یہ سارا نظام زوال پذیر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام اللہ سائنس کے دائرہ کار سے باہر ہے لیکن سائنس کلام اللہ کے دائرہ کار سے باہر نہیں۔ یہ ایک ٹوٹل حقیقت (Superset) ہے اور اس کا ایک ذیلی حصہ ہے۔ قرآن حکیم کل (Holistic Apporach) کی تعلیم دیتا ہے جبکہ سائنس جزیات (Particals) کے متعلق بات کرتی ہے اور جیسے اوپر کہا گیا ہے کہ سائنس دنیا کیلئے ہے قرآن دنیا و آخرت دونوں کیلئے رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لئے مومن قرآن حکیم کے ذریعہ سائنس اور وحی دونوں کی حقیقت کا عادی ہے اور دونوں کی بھلائی کا متلاشی ہے سائل کی دعا ہے۔ **ربنا اتنا في الدنيا حسنة و في الآخرة حسنة○** (سورۃ البقرہ آیت ۲۰۱) حضور ﷺ کے مطابق علم مومن کا کھویا ہوا مال ہے۔ آپ کی دعا تھی۔ **رب زدني علما** (سورۃ طہٰ آیت ۱۱۴) اس دعا میں علم وحی اور علم سائنس دونوں شامل ہیں۔ اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ قرآن حکیم میں کس قدر

سائنس ہے۔ اس سوال کو سمجھنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے فرق کو سمجھیں۔

سائنس دراصل قدرت کے اصولوں سے آگاہی کا نام ہے۔

جبکہ ٹیکنالوجی ان اصولوں کے استعمال کا نام ہے۔

مثلاً موجودہ دور الیکٹرانک کمیونیکیشنز (Electronic Communications) کا ہے اس کی وجہ سے۔ ٹیلی فون، موبائل فون، ریڈیو، ٹی وی، کمپیوٹر اور سٹیلائٹ، انٹرنیٹ اور ای میل وغیرہ نے دنیا بھر میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی کا نتیجہ ہیں لیکن ان سب کے کام کرنے کا بنیادی اصول الیکٹرو میگنیٹک ریڈیئیشن (Electromagnetic Radiation) ہے جس کے اصولوں کو میکسویل (Maxwell) نے ۱۸۷۰ء میں دریافت کیا تھا۔ ایک اور مثال ایٹمی توانائی کی ہے۔ جس کی مرہون منت دنیا بھر میں چلنے والے ایٹمی ری ایکٹر ہر طرح کے ایٹمی ہتھیار اور تمام طرح کے ایٹمی ریڈیئیشن (Atomic Radiation) پر چلنے والے آلات ہیں۔ ان سب کا بنیادی عنصر یہ سائنسی اصول ہے کہ مادہ توانائی میں تبدیل ہو سکتا ہے جو آئن سٹائن نے ۱۹۰۵ء میں دریافت کیا تھا۔ مزید آگے بڑھیں تو معلوم ہوگا کہ میکسویل اور آئن سٹائن کی دریافتوں کا تعلق بھی دراصل ایٹم کی ساخت سے ہی ہے کہ ہر چیز انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرات سے بنی ہے جو اپنی حیثیت میں کبھی مادہ کبھی توانائی ہوتے ہیں اور توانائی کی تمام اشکال ان کے مختلف حالات کا اظہار ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ایک وحدت (Singularity) کا حصہ ہے جو کائنات کی اصل حقیقت ہے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کا تمام کاروبار چند بنیادی سچائیوں پر قائم ہے اور یہ قدرتی قانون زندگی کے ہر شعبہ میں متحرک نظر آتے ہیں۔ ان کی دریافت اور سمجھ بوجھ ہی اصل سائنس ہے باقی جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ انہی اصولوں کی عملی اشکال اور تفصیلات ہیں۔ وحدت کے معیار کے مطابق قرآن حکیم کائنات میں سب سے بڑی سائنسی کتاب ہے۔ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز کی بنیاد فراہم فرما دی ہے۔ اس کتاب میں خالق کائنات نے ہر طرح کی مادی، عمرانی، معاشی، اخلاقی اور روحانی سائنسوں کی بنیاد رکھ دی ہے تفصیلات کا کام انسان پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

لیکن وہ علوم جن کی تفصیل کا مادی ذرائع سے جاننا انسانی بس سے باہر تھا۔ مثلاً عالم غیب کے حقائق یا اخلاقیات کے اٹل اصول یا روحانیت وغیرہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کے ذریعے مفصل طور پر سمجھا دیا۔

قرآن حکیم کا سائنسدان، علم و حکمت کا شاہکار مسلمات

اس ضمن میں سب سے اہم سوال خود انسان کی اپنی حقیقت ہے۔ سائنس نے اس کے جسم کے مادی اجزاء پر تو خوب بحث کی ہے لیکن انسان بحیثیت انسان کا جواب سائنس کی کسی کتاب میں نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس کا علم صرف مادیت تک محدود ہے یعنی "سائنس کیلئے انسان کائنات کا ایک حصہ ہے۔ بقول اقبالؒ۔

نہ تو زمیں کیلئے ہے، نہ آسماں کیلئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے

جبکہ وحی کے مطابق کائنات انسان کا ایک حصہ ہے" اور یہی دونوں کی سوچ میں بنیادی فرق ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا فرق ہے۔ اس کے مطابق "سائنس کا انسان مادہ کا غلام ہے جبکہ قرآن کا انسان کائنات کا حکمران ہے" ارشاد ہوتا ہے کہ **وسخرلکم ما فی السموت وما فی الارض وما بینھما** اور تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ مسخر کر دیا گیا ہے۔ (سورۃ الجاثیہ آیت مبارکہ ۱۳)

قرآن پاک کا انسان کائنات میں ایک مکرم ہستی ہے فرمایا "**ولقد کرمنا بنی آدم**" (سورۃ بنی اسرائیل آیت مبارکہ ۷۰) یعنی "بلا استثناء ہم نے آدم کی اولاد کو قابل عزت بنایا ہے۔ یہ آیت مبارک انسان کیلئے خداوند کائنات کی طرف سے گویا لیٹر آف اتھارٹی (Latter of Authority) ہے کہ "قرآن پاک کا انسان نہ صرف مکرم ہے بلکہ کائنات اس کے سامنے سرنگوں کر دی گئی ہے۔ اس عظیم اصول کہ "کائنات کا مرکز انسان ہے" کے مطابق تمام کی تمام کائنات کو انسان کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ انسان کی لامحدود صلاحیتوں والے اس قانون کی تشریح قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کے متعلق

قرآنی آیات میں اچھی طرح بیان کر دی گئی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۳۱ سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کا علم بخشا اور فرشتوں پر اپنی تخلیق کی برتری ثابت کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بطور امتحان آگے رکھ دیا۔ دونوں سے ان کے خواص کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے مطابق ہر چیز کے متعلق صحیح صحیح جواب دیا جبکہ فرشتوں نے اپنی کم فہمی کا کھلے بندوں اعتراف کر دیا۔ اس امتحانی کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائک ہونے کا عظیم شرف عطا فرمایا۔

علم حاصل کرنے کی وہ صلاحیت آج بھی اولادِ آدم کے جین (Gene) میں چلی آتی ہے۔ ان کی صلاحیتوں کا یہ حال ہے کہ ایک عام آدمی اپنی زندگی میں شاید ہی پانچ فیصد سے زیادہ ان کا استعمال کرتا ہو جبکہ بہت اعلیٰ اور عظیم لوگ شاید دس سے پندرہ فیصد کرتے ہوں گے۔ آیت مبارکہ "**وسخر لکم ما فی السموت وما فی الارض وما بینھما**" انسان کو ودیعت کی گئی بے مثال صلاحیتوں کا اعلان ہے اور ابتدائے تخلیق میں فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کروانا انسان کی برتری کا عملی اعتراف ہے۔

اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ قدرت کے قوانین انسان کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے۔ بحیثیت مجموعی قرآن کے اساس کیلئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے تمام کائنات کو اس حد تک زیرنگوں کر سکتا ہے جس حد تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو۔

"**سخر لکم**" والا قانون ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز اگرچہ بظاہر خواہ انسان کیلئے خطرناک ہی کیوں نہ ہو، دراصل کسی نہ کسی پہلو سے انسان کی بقا اور ترقی کیلئے کام کر رہی ہے۔ لہٰذا زہر میں بھی تریاق ہے۔ اسی اصول پر قرآن کریم "سائنس برائے انسان" پر زور دیتا ہے، یہ نہیں جیسے کہ سیکولر تہذیب نے کر دیا ہے کہ انسان سائنس کا خادم بن جائے۔ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ سائنس صرف انسان کی بہتری کیلئے استعمال ہو۔

قرآن حکیم انسان کو یہ بات کی خوشخبری سناتا ہے کہ اس کی روح امر ربی ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنی حد تک تمام خدائی صفات اور طاقتوں کا مظہر ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ خالق ہے اس لئے اپنی حد تک انسان بھی خالق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس لئے اپنی حد تک آدمی بھی حکمت رکھتا ہے۔ امر ربی کی بنا پر خدائی صفات کا مظہر ہونا انسان کیلئے اتنا بڑا اعجاز ہے کہ جس کی کائنات میں کوئی دوسری مثال نہیں۔ وہ جو اس معیار پر پورا اترتے ہیں زمین پر خلیفہ کہلانے کے حقدار ہیں۔ افسوس کہ دانشوروں نے انسان کو بھی حیوانوں کے زمرہ میں ڈال دیتے ہیں۔

قرآن پاک میں سائنس کی تلاش

قرآن حکیم کی حکمت اور سائنس کو سمجھنے کیلئے اس مثال پر غور فرمائیں کہ بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ جتنا بڑا آدمی اتنی بڑی اس کی باتیں۔ ان کی باتیں دنیا جہان کے علم کی مثالوں اور معلومات سے بھری ہوتی ہیں۔ جس میں سے سننے والا اپنی سمجھ شوق و ہمت کے مطابق بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے۔

اب فرض کریں کہ وہ ہستی جو آپ سے باتیں کر رہی ہے ساری کائنات کی حکمران بلکہ اس کی خالق بھی ہو۔ ماضی حال اور مستقبل کے تمام راز اس کے سامنے ظاہر ہوں۔ وہ لوگوں کے اندر کے خوف اور غم اور ان کی سوچوں سے آگاہ ہو تو اس ہستی کے کلام میں کیسی کیسی حکمت اور سائنس ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ سمجھنے والے کیلئے قرآن کریم کی باتوں میں وہ گہرائی ہے جو کسی سمندر میں نہیں اس میں وہ خوبصورتی ہے جو کسی پھولوں میں نہیں وہ معلومات ہیں جو کسی انسائیکلو پیڈیا میں نہیں، یہ وہ معجزہ ہے جس کی مثال نہیں۔ گزشتہ انبیاء کے بھی معجزات تھے لیکن وہ انسان کے ذہن کان اور آنکھ کو وقتی طور پر مسخر کرتے تھے لیکن قرآن پاک رب العالمین کی طرف سے رحمت العالمین پر نذر العالمین کے طور پر نازل ہوا۔ جب سے اور جب تک عالمین یعنی کائنات قائم دائم ہے نہ رب کی ربوبیت میں، نہ رحمت العالمین کی رحمت میں اور نہ ذکر العالمین کے ذکر میں کمی ہوگی۔

چنانچہ قرآن پاک ایک زندہ حقیقت ہے جو دنیا و آخرت یعنی زمان و مکان کے تمام مقامات پر انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا اور جو کوئی بھی ہدایت کیلئے اس کی طرف آئے گا یہ اس کے ذہن فکر قلب اور روح کو متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ یہ اسی کی برکت اور اس کا فضل، زمان و مکان کے اوپر سدا جاری و ساری ہے اور یہی ہے حضور ﷺ کے خاتم النبیین اور رحمۃ اللعالمین ہونے کا بھی کھلا ثبوت ہے۔ اس سے پہلے جو وحی اترے وہ بھی لوح محفوظ میں سے دیئے گئے قرآن حکیم کے حصے تھے اور اب یہ کل کی صورت میں ہمارے پاس ہے۔ (اللہ تیرا شکر ہے) ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم طالب علم بن کر سچے دل اور عقل سے اس پر غور کریں اور اپنی باتوں کو چھوڑ کر اس کی باتیں سمجھیں، پھر ہمیں تمام دیگر مذاہب کی حکمت کی باتیں بھی یہیں ملیں گی، اور اسی میں سے ہمیں دنیا اور آخرت کے ایسے حقائق کا پتہ چلے گا جن کو ماہرین عمرانیات، معاشیات، اخلاقیات غرض ہر طرح کے سائنسدان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جبکہ سائنس "کیا" اور "کیسے" میں پھنسی ہوئی ہے قرآن "کیوں" کا حتمی جواب دیتا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ جہاں انسانی عقل کی انتہا ہے وہاں قرآن پاک کی ابتدا ہے۔ جہاں فزکس کے ماہرین نہ پہنچ سکے وہ راز یہاں ہے۔ جو فلاسفروں کی عقلوں سے بالاتر ہے وہ حکمت کی باتیں یہاں ہیں۔ غرض ظاہر اور باطن کے ہر علم کی خوبیاں اس میں موجود ہیں اس لئے کہ یہ کلام اللہ ہے۔ سمجھنے کیلئے صرف ایک قلب سلیم کی ضرورت ہے۔

پیارے رسول ﷺ کی پیاری زبان

محمد صدیق ڈار توحیدی (قسط نمبر 1)

حضور نبی کریم ﷺ کی پیاری اور مبارک زبان عربی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن کریم نازل فرمائی۔ روئے ارض پر بسنے والے ہر مسلمان کو اس زبان سے واسطہ پڑتا ہے خواہ وہ کسی بھی ملک میں رہتا ہو۔ قرآن وحدیث کو سمجھنے، نماز جیسی اہم عبادت کو حضوری قلب سے ادا کرنے اور زندگی کے روزانہ معمولات میں پڑھی جانے والی مسنون دعاؤں کی معنوی حقیقت جاننے کیلئے ضروری ہے کہ ہمیں اس زبان کی مناسب حد تک سمجھ بوجھ حاصل ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ **تعلموا العربية فانها دينكم** "عربی کی تعلیم حاصل کرو کیونکہ یہ تمہارے دین کا حصہ ہے"۔ اگر آپ غور فرمائیں تو عربی ہر مسلمان کی مادری زبان بھی ہے کیونکہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات تمام مومنوں کی مائیں ہیں اور ان کی زبان عربی تھی۔ اس طرح یہ ہماری مادری زبان بھی ہے۔

عربی زبان کی اس اہمیت کے پیش نظر اور بہت سے دوستوں کی طرف سے مشورے موصول ہو رہے تھے کہ ماہنامہ مجلہ "فلاح آدمیت" میں اس کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ قارئین کرام میں اس کی بنیادی سمجھ بوجھ پیدا ہو جائے اور وہ قرآن وحدیث کو انہی کی زبان میں سمجھنے کی کچھ نہ کچھ صلاحیت حاصل کر لیں۔ الحمدللہ! اس کا آغاز اس شمارے سے اس دعا کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اللہ کریم اس مبارک زبان کی تعلیم تمام برادران کیلئے آسان اور باعث تقویت ایمان بنائے۔ آمین!

حروف

ہر زبان کی بنیاد اس کے حروف ہوتے ہیں۔ جن سے الفاظ بنتے اور ان سے کلمات اور جملے بنتے اور اس طرح الفاظ پر مشتمل زبان کی عمارت وجود میں آتی ہے۔

حروفِ تہجی

عربی زبان میں حروفِ تہجی کی تعداد اٹھائیس ہے۔ یہ سب اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں لیکن اردو میں سات حروف ان کے علاوہ بھی ہیں جو عربی میں استعمال نہیں ہوتے، وہ یہ ہیں۔ پ، ٹ، چ، ڈ، ڑ، ژ اور گ۔

حروفِ شمسی

اٹھائیس حروفِ تہجی میں سے 14 حروف شمسی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن۔ جب کسی شمسی حرف کے شروع میں الف لام (ال) لگایا جائے تو شمسی حرف پر تشدید کی علامت (ّ) لکھی جاتی ہے۔ اس طرح لام پڑھنے میں نہیں آتا۔ یعنی حرف شمسی کی کشش اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ لام سے پہلے والے حرف کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لیتی ہے۔ جیسے **الشمس۔ فی السوق۔ والتین۔**

حروفِ قمری

حروفِ تہجی میں سے باقی 14 حروف قمری ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

ا، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ اور ی۔ ان حروف کے قبل آنے والے الف لام کا لام بولا جاتا ہے۔ جیسے **البحر، البنت، من المسجد، فی الکتاب، فی المدینۃ۔**

حروفِ علت

علت کے معنی خرابی اور بیماری کے ہیں۔ و، ا، اور ی کو حروفِ علت کہتے ہیں جس مادہ میں حرفِ علت ہو اس کی شکل بدل جاتی ہے جیسے **قول** میں واو حرفِ علت ہے تو جب اس سے ماضی بنے گی تو یہ **قال** ہو جائے گا۔ مضارع میں **یقول** اور فعل امر میں **قُل** بن جائے گا۔

حروفِ صحیح

حروفِ علت کے علاوہ باقی حروف صحیح کہلاتے ہیں۔ ان کا مادہ ماضی، حال اور فعل امر میں اپنی اصلی حالت میں رہتا ہے۔ جیسے **ضرب** جس کے معنی مارنا ہے۔ **ضرب یضرب**

اور اضرب رہے گا اور ض، را اور ب میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی۔

حروفِ حلقی

وہ حروف جو بولتے وقت حلق سے ادا کیے جاتے ہیں۔ حروفِ حلقی چھ ہیں۔ ح، خ، ع، غ، ہ، ء۔ صحیح قرأت کیلئے انہیں حلق سے نکالنے کی مشق کرنی چاہیے تاکہ سننے والا سمجھ جائے کہ ح سے پڑھا ہے اور یہ نہ کہنا پڑے کہ ح حلوے والی ہے یا ہ لاہور والی ہے۔ ان حروف کو یاد کرنے کیلئے ایک شعر بنایا گیا ہے جو یہ ہے۔

حروفِ حلقی شش بود اے نور عین
ہمزہ ، ہاء ، حاء ، خاء ، عین غین

جس مصدر یا مادہ کے بیچ میں حرفِ حلقی ہوں اس کے اعراب فتح یفتح کے وزن یا طرز پر آئیں گے۔

حروفِ جار

عربی میں جر زیر کو کہتے ہیں۔ جار کے معنی ہیں زیر دینے والا۔ یہ حروف تعداد میں سترہ (17) ہیں اور جس اسم کے پہلے آتے ہیں اس کے آخری حرف کو زیر دیتے ہیں۔ آسانی سے یاد کرنے کیلئے انہیں بھی ایک شعر میں جمع کر دیا گیا ہے۔

باء و تاء و کاف و لام و واو و منذ و مذ خلا
رُبَّ حاشا، عن، عدا، فی، حتّٰی، من، علی، الی

(جاری ہے)

فضائل و مسائل رمضان المبارک

حافظ شہزاد احمد

رمضان المبارک قمری مہینوں میں نواں مہینہ ہے۔ لفظ رمضان رمض سے مشتق ہے جس کا معنی لغت عربیہ میں جلا دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی وجہ حدیث پاک میں یوں آئی ہے۔ **فانها ترمض الذنوب** یعنی یہ مہینہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک صاف کر دیتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یایها الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ٥

ترجمہ! اے ایمان والو تم پر روزے اس طرح فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی ہو۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

رمضان شهر الله۔ ترجمہ! رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔

کیونکہ اس مہینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ تو اس خصوصی نسبت سے یہ معلوم ہوا کہ اس مہینے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا خصوصی تعلق ہے جس کی وجہ سے یہ مہینہ تمام مہینوں سے ممتاز رہا ہے۔ ویسے تو تمام مہینے اللہ تعالیٰ ہی کے بنے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاص اس قدر نازل ہوتی ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتیں۔ اس لئے اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کے انوار و رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو اللہ نے بصیرت کی آنکھ دی ہے۔ وہ ان انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے ہیں۔ جو لوگ دل کی آنکھ سے محروم ہوتے ہیں۔ وہ ان انوار و تجلیات کو دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو مسعود غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے رمضان کا چاند نظر آتے پر یہ سنا ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان المبارک کی حقیقت کیا ہے تو میری امت تمنا کرے کہ سارا سال رمضان کا مہینہ ہی رہے۔

رمضان المبارک میں اُمت محمد ﷺ پر پانچ خصوصی انعامات۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رمضان المبارک کے متعلق میری اُمت کو پانچ خصوصی انعامات سے نوازا گیا ہے۔ جو پہلی اُمتوں کو نہیں ملے۔

1۔ روزہ دار کے منہ کی بدبو (جو بھوک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

2۔ روزہ دار کیلئے دریا کی مچھلیاں تک دعائے مغفرت کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔

3۔ روزہ داروں کیلئے جنت ہر روز سجائی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریب ہے کہ میرے بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آئیں

4۔ اس ماہ مبارک میں سرکش شیاطین قید کر دئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں ان برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے۔ جن کی طرف وہ غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔

5۔ رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کیلئے مغفرت کی جاتی ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ شب مغفرت شب قدر ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رمضان کی تین راتوں میں صحیفے نازل ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل رمضان کی تیرہ تاریخ کو نازل ہوئی اور مجھ پر قرآن پاک رمضان المبارک میں نازل ہونا شروع ہوا

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الصوم لی وانا اُجری به

ترجمہ: "روزہ میرے لئے ہے۔ میں ہی اس کا بدلہ دوں گا"۔

ویسے تو نماز روزہ وغیرہ سب عبادات اللہ ہی کی ہیں اور اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہیں۔ مگر روزہ میں ایک عجیب خصوصیت ہے۔ روزہ ریا و دکھاوے سے دور ہوتا ہے اور اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ اور بندہ کے علاوہ کسی کو بھی صحیح طور پر علم نہیں ہوتا۔ کیونکہ روزہ کی کوئی ظاہری صورت و ہیئت نہیں ہوتی۔ جسکی وجہ سے دیکھنے والوں کو اس کا ادراک اور علم ہو سکے بخلاف دوسری عبادتوں کے ان کی ظاہری صورت بھی ہوتی ہے۔ اس لئے روزہ عبد اور معبود کے درمیان ایک راز ہوتا ہے۔ بقول شاعر

میان عاشق و معشوق رمزیست

کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

ترجمہ: عاشق و معشوق کے درمیان ایسے راز ہیں کہ لکھنے والے فرشتوں کو بھی انکی خبر نہیں ہوتی

شریعت مطہرہ کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی عقل کو اپنے نفس پر غالب رکھے۔ مگر شری تقاضوں کی وجہ سے انسانی نفس عقل پر غالب آجاتا ہے۔ اس لئے روزہ کو اخلاق حسنہ اور تزکیہ نفس کیلئے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

روزہ سے انسان کی عقل نفس پر غالب آجاتی ہے۔ جس سے انسان میں خشیت الٰہی اور تقویٰ کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ روزہ سے انسان کو اپنی عاجزی اور مسکینی کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اللہ کے جلال اور اسکی قدرت پر انسان کی نظر پڑتی ہے۔ روزہ رکھنے سے انسان کی باطنی بصیرت پیدا ہوتی ہے اور روحانیت کا خیال ترقی پاتا ہے انسان کے اندر درندگی اور حیوانیت کی صفت ختم ہوتی ہے اور فرشتوں کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ روزہ سے انسان کو اللہ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے اور انسانی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ روزہ جسم اور روح کی صحت کا موجب بنتا

ہے۔اس لئے صوفیاء کرام نے کم کھانے پینے کو دل کی صفائی کیلئے مفید قرار دیا ہے روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے۔جیسے کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ایسے ہی روزہ دار اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔

مندرجہ بالا روزہ کے بارے میں جتنے فضائل بیان کئے گئے ہیں ان کے حصول کیلئے لازمی شرط یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے گناہوں سے بچے۔زبان، کان، ہاتھ، آنکھ، دل و دماغ وغیرہ کو اطاعت الٰہی میں مشغول کیا جائے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ہر شعبے میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

قرآن میں چونکہ اللہ نے روزہ کو گناہوں سے بچنے کا نسخہ قرار دیا ہے مگر کتنے مسلمان ایسے ہیں جو کئی سالوں سے رمضان کے روزے رکھ رہے ہیں۔مگر ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سالوں روزے رکھنے کے باوجود گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے ورنہ ہی ان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹے کردار و گفتار سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔

جن وجوہات سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

1۔ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

2۔ خوشبو (چاہے کتنی ہی تیز ہو) سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

3۔ دھواں جو بے اختیار حلق میں پہنچ جائے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔مگر جو دھواں اپنے اختیار سے حلق میں پہنچایا جائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔جیسے سگریٹ حقہ وغیرہ کا دھواں!

4۔ سرمہ لگانے یا آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

5۔ مسواک کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے مسواک کا ریشہ حلق میں چلا جائے۔

6۔ وضو کے علاوہ ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا۔

7۔ انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

8۔ کان میں پانی پڑنے سے یا خود کان میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

9۔ اگر دانتوں کے درمیان کوئی چیز پھنسی ہو تو اس کی مقدار چنے کی مقدار سے کم ہو اور وہ نگل لی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

10۔ روزے کی حالت میں سوتے ہوئے اگر احتلام ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جن وجوہات سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

1۔ روزہ کی حالت میں عذر یا بغیر عذر کے کھانا پینا یا جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

2۔ کلی کرتے وقت یا ناک میں پانی ڈالتے وقت اگر پانی حلق سے نیچے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

3۔ کان میں دوائی ڈالنے یا تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

4۔ ناک میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

5۔ اگر مسوڑوں سے خون نکل کر حلق میں داخل ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں اگر خون تھوک کے برابر یا زیادہ ہے اور حلق میں خون کا ذائقہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر خون تھوک سے کم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

6۔ اگر جان بوجھ کر قے کی۔ خواہ وہ باہر پھینک دی یا واپس لوٹا دی تو ان دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

7۔ اگر بے اختیار قے آگئی۔ اور اسے واپس منہ میں لوٹا دیا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ قے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور اگر باہر پھینک دی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اس لئے ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اس مقدس مہینے کے آغاز ہی میں اپنی اصلاح کی فکر کرے۔ اور اپنے اخلاق کو صحیح کرنے کی نیت کرے۔ اور پھر اس کوشش ہی میں اپنا مہینہ گزارے کوئی بعید نہیں کہ اس کے نفس کی اصلاح ہو اور گناہوں سے نجات مل جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ نسخہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

صفائی نصف ایمان ہے

علی رضا توحیدی

روزِ آخرت پر یقین رکھنے والا ہر انسان زیادہ سے زیادہ نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے اور گناہوں سے ہر ممکن طریقے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ آخر اسے اپنے رب کریم کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ کامیابی کا دارومدار اس کے اعمال صالح پر ہے اور ان اعمال صالحہ کا اجر اسے جنت کی شکل میں ملتا ہے۔ اگر وہ گناہ کی زندگی گزارتا رہا تو آخرت میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے اسے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ جو لوگ اللہ کی محبت کے طالب ہیں اور نیکی کی طرف راغب رہتے ہیں وہ تو گناہ کے خیال سے بھی ڈر جاتے ہیں اور ان کے نزدیک تو گناہ کا خیال بھی گناہ کرنے کے مترادف ہے۔ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبد الحکیم انصاری فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے حصول کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ سالک کے دل میں گناہ کا خیال ہی نہ آئے۔ سلسلہ توحیدیہ کے سب بھائی تو اللہ کی محبت، قرب اور دیدار کے طالب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو دوسرے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور سب کو اس کوشش میں لگے رہنا چاہیے کہ گناہ کرنا تو ایک طرف اس کا خیال بھی دماغ میں نہ آنے پائے۔

یہ چیز ایک دو روز میں تو حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ اس کیلئے تو سب بھائیوں کو سالہا سال محنت کرنا پڑے گی اور ہر دم کوشش کرتے رہنے سے یہ بات پیدا ہوگی۔ آپ لوگوں کو اس کیلئے تمام ذرائع استعمال کرنا ہوں گے ہر ایک سے اخلاق کرنا ہوگا مجاہدہ کرنا ہوگا اور سب سے بڑھ کر ہمیشہ صاف ستھرا رہنا ہوگا۔ یہ آخری بات صاف ستھرا رہنے والی شاید آپ لوگوں کو زیادہ متاثر نہ کرے لیکن اس میں ایک نازک راز پوشیدہ ہے کہ اس ہدایت پر عمل کرنے والا گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ میں اب اس کی تھوڑی سی وضاحت پیش کرتا ہوں۔ میں کئی سال اس بات پر غور و فکر کرتا رہا کہ کس حالت میں انسان سے زیادہ گناہ سرزد ہوتے ہیں اور کس حالت میں وہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس غور و فکر میں بھی اپنی ذات کا اور دوسرے لوگوں کی زندگیوں کا تجزیہ کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ مجھ پر کھول دیا

بات یہ ہے کہ جب انسان صاف ستھرا رہتا ہے تو وہ کم گناہ کرتا ہے اور جب وہ پاکیزگی کی حالت میں نہیں ہوتا تو زیادہ گناہ کرتا ہے۔

ہماری فضا میں رحمانی اور شیطانی قوتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو انسان ہمیشہ صاف ستھرا رہتا ہے اس پر رحمانی قوتیں اپنا اثر ڈالتی ہیں، جبکہ گندے اور ناپاک انسان پر شیطانی قوتیں اپنا اثر ڈالتی ہیں اور اسے گناہ پر آمادہ کرتی ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ گندی مکھی ہمیشہ صاف جگہ چھوڑ کر گندگی پر ہی بیٹھتی ہے جب کہ شہد کی مکھی پھولوں پر بیٹھتی ہے۔ اب راہ سلوک کا جو مسافر ہمیشہ صاف ستھرا رہتا ہے اور اس کوشش میں رہتا ہے کہ ہمیشہ وضو میں رہے۔ تو اس پر رحمانی قوتیں اپنا اثر ڈالتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ گناہ سے احتراز کرتا اور نیکی پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو سالک صفائی کا خیال نہیں رکھتا اس پر شیطانی قوتیں اپنا اثر ڈالتی ہیں اور وہ گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم ﷺ نے پیاز، لہسن (اور اسی طرح دوسری چیزیں جن کے کھانے کے بعد منہ سے بو آتی ہے) کھا کر مسجد آنے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے صفائی کو نصف ایمان کا درجہ دیا ہے اور صفائی کے متعلق ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ
"صفائی ایمان کی شرط ہے"

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہمیں اپنے نصف ایمان کو قائم کرنا ہے تاکہ گناہوں سے بچ سکیں اور یہاں تک کہ گناہ کا خیال بھی ہمارے دل میں نہ آئے اور ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ مسلسل محنت اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے طفیل ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

صوفیائے کرام نے ہر وقت باوضو رہنے کی بڑی برکات بیان کی ہیں کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ ہر وقت باوضو رہنے والا انسان فرشتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے جو ہمہ وقت طہارت کی حالت میں رہتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں نے سونے سے قبل وضو کرنے کے بہت سے فوائد گنوائے ہیں اور بہت لوگ اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور باطہارت نیند میں داخل ہوتے ہیں۔ شریعت کے احکام میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی وجہ سے غسل واجب ہو جائے اور سونے سے پہلے غسل نہ کر سکو تو متعلقہ اعضاء دھو کر وضو کر کے سونا چاہیے۔ ظاہری اور جسمانی طہارت کا اثر روح پر بھی پڑتا ہے۔ انسان کے لباس پر گندگی کی چھینٹیں پڑی ہوں یا اسے استنجے کی حاجت ہو تو اس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے اس کے برعکس انسان نہا دھو کر اجلے کپڑے پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے تو روح فرحت اور کشادگی محسوس کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی پاکیزہ تعلیم کے مطابق ظاہری اور باطنی طہارت کی توفیق سے نوازے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین۔

فلسفہ دُعا

خالد محمود بخاری (ملتان)

دُعا کے معنی:

دُعا کے لغوی معنی ہیں پکارنا، التماس کرنا، درخواست کرنا، عرض کرنا، طلب کرنا۔

دعا کمتر کا اپنی عاجزی ظاہر کر کے برتر سے فریاد کرنے کا نام ہے۔ دُعا مومنوں کے روحانی ارتقا کیلیے سیڑھی ہے۔ انسان ہر مشکل میں اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ پرستش اور پکار انسان کی سرشت میں ہے وہ ہمیشہ کسی ایسی مافوق الفطرت ہستی کی تلاش میں سرگرداں رہا جو اس کی حاجت روائی کر سکے۔ بے شک اللہ ہی انسان کی حاجات کا ملجیٰ و ماویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجی دعا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کو کسی مشکل سے نجات دیتا ہے تو وہ اپنی جاہلانہ ناشکری کی روش پر لوٹ آتا ہے اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسے پکارتا ہے اور پھر جب اسے اپنی نعمت دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے جس کیلئے وہ اس سے قبل (اللہ کو) پکارتا تھا اور وہ اللہ کیلئے شریک بناتا ہے تاکہ اس کے راستہ سے گمراہ کرے۔ (القرآن 39:8)

دُعا میں عاجزی کا اظہار:

عبادت اور دُعا میں یک رُخی اور یکسو ہونا ضروری ہے خشوع وخضوع اور ذہنی یکسوئی سے دُعا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی قربت کا احساس ہو، عجز وانکساری ہو بلکہ یہ محسوس ہو کہ آپ براہ راست اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہیں دُعا کرنے کا مجرب عمل یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے پرسکون نشست پر بیٹھ جائیں اور ذہن کو ہر قسم کے خیالات سے آزاد کر کے حضوری قائم ہونے کے بعد عاجزی دعا میں اصرار و یقین پیدا کرنا چاہیے مزید اپنی دُعا میں سوز و گداز، عجز و نیاز، احتیاج و حاجت اپنی شکستگی و درماندگی، عاجزی، بے چارگی، بے بسی، بے کسی کا اظہار کر کے زبان کے ساتھ دل بھی گریاں ہو بلکہ دل کی پوری توجہ کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے جب صدق دل سے دعا کی جاتی ہے تو انسان کو دعا کی قبولیت میں شکوک نہیں ہونا چاہیے۔ خلوص دل سے نکلی ہوئی دعا ہمیشہ قبول

ہوتی ہے ہیں۔ قبولیت انسان کی مرضی کے مطابق ہو یا اللہ کی رضا کے مطابق۔ خوش قسمت لوگ اپنی خواہشات اور مرضی کو اللہ کی رضا کے تابع رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ اپنے بندے کی دعا ہر حال میں سنتا ہے لیکن رات کے پچھلے پہر کی دعا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ دعا کا مسنون طریقہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے۔ دونوں ہاتھ سینے کے سامنے آ جائیں۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے رکھے۔ اپنے رب سے دنیا و آخرت میں خیر و عافیت کا سوال کرو۔ واضح ہو کہ جس کیلئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ دعا کی عدم قبولیت کے بارے مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ سبب دور کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ دعا کی قبولیت کے لئے طعام و لباس کا حلال ہونا ضروری ہے۔ لقمہ حلال کے التزام سے مستجاب الدعوات بن جائیں گے۔ دعا کے دو بازو ہیں ایک رزق حلال دوسرا صدق مقال۔ اپنے آپ کو اپنے رب کے دروازے پر ڈال دو آخر کار اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی۔

غیر اللہ کا یہ استحقاق نہیں کہ اس کی پوجا کی جائے بلکہ وہ خود محتاج ہے۔ غیر اللہ کو حاجت روائی کیلئے پکارنا عبث اور نتائج کے لحاظ سے بے فائدہ ہے۔ اجابت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ کی دعا اثر کرے کیونکہ ایسے مخلص دعا گو کی دعا جو اپنے نور یقین سے پکارے جانے والے اللہ سے واقف ہو، حجابات کو چھوڑ کر اللہ کے روبرو اس کی ضرورت کا تقاضہ کرتی ہے۔ جو اللہ سے دعا مانگنا چھوڑ دیتے ہیں ایسے بندوں کا تعلق حق تعالیٰ سے بہت ہی ضعیف ہو جاتا ہے۔

سورۃ فاتحہ:

سب سے افضل اور مکمل ترین دعا سورۃ فاتحہ ہے۔ جو انسان کی دنیاوی زندگی اور آخرت کے تمام ظاہری اور باطنی احوال کے بے مثال فصاحت و بلاغت اور اختصار کے ساتھ پورا پورا احاطہ کرتی ہے۔ بے شک انسان غرض مندی اور احتیاج کا پتلا ہے۔ جو قدم قدم پر طرح

طرح ضروریات اور حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس پر دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کرنے کی حاجت بھی ضرور ابھرتی ہے اللہ نے تو قرآن میں دُعائیں سکھائی ہیں۔

دُعا کے بارے میں احادیث مبارکہ

☆ دُعا عبادت کا مغز ہے۔ دُعا ہی عبادت ہے۔ اللہ کے بندو! دُعا کو اپنے اوپر لازم کر لو۔

☆ جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا اللہ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔

☆ قضا کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی سوائے دُعا کے۔ دُعا میں ہمت نہ ہارو۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی دُعا کسی نہ کسی شکل میں قبول ہوتی ہے جب تک وہ عجلت کا اظہار نہ کرے۔ یوں نہ کہے کہ میں نے دُعا کی تھی قبول نہ ہوئی۔

☆ سجدے میں بندہ اپنے رب کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے تو تم دعا مانگا کرو۔

☆ عرفہ کا دن دُعا کیلئے بہترین دن ہے۔

☆ دو وقت دعا مردود نہیں ہوتی ایک اذان کے وقت اور دوسرا جنگ کے وقت۔

☆ زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہ دُعا پوری ہوتی ہے۔

☆ رات کے وقت اور فرض نماز کے بعد دُعا قبول ہوتی ہے۔

خفیہ دُعا مانگنا

اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی اور انکساری کے ساتھ (القرآن) تضرع اور خشوع دونوں دعا کی جان ہیں جو بجائے اونچی آواز کے پست آواز سے زیادہ حاصل ہوتے ہیں کوئی بھی عاجز مسکین یا حاجتمندانہ حالت میں اپنی آواز کو اونچی نہیں کرتا پوشیدہ دُعا مانگنا زیادہ سے زیادہ اخلاص سے زیادہ قریب اور قبولیت کے زیادہ لائق ہوتی ہے۔ بلند آواز سے خود نمائی

اور خود پسندی کا پیدا نہیں ہوتا ہے یکسوئی اور جمعیت خاطر نصیب رہتی ہے۔ ☆ ـــ ہمارا پروردگار بلند ذات والا ہے، جو ہر رات کی آخری تہائی میں آسمان دنیا پر آتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے؟ جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے؟ جو مجھ سے مانگے اس کو دوں کوئی ہے جو مجھ سے بخشش چاہے؟ میں اسے بخش دوں۔

جن لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں

☆ ـــ ماں باپ کی دعا اولاد کے لیے ☆ ـــ مسافر کی دعا

☆ ـــ مظلوم و پریشان کی دعا۔ ☆ ـــ عرفات میں۔

☆ ـــ بیت المقدس۔ ☆ ـــ ملتزم پر۔

☆ ـــ مقام ابراہیم کے پیچھے ☆ ـــ مشعر الحرام مزدلفہ میں۔

☆ ـــ صفا و مروہ کے درمیان کوہ صفا اور مروہ پر۔

☆ ـــ جمرہ صغریٰ و جمری وسطیٰ کے پاس کنکریاں مارنے کے بعد۔

مکروہات اور ممنوعات دعا

(I) دعا میں قافیہ بندی سے پرہیز رکھنا چاہیے۔

(II) موت کی تمنا کرنا اپنے گناہوں کی سزا دنیا میں پانے کی دعا کرنا۔

(III) گناہ اور قطع رحمی کی دعا کرنا منع ہے۔

(IV) یوں نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے مجھے بخش دے، اگر تو چاہے مجھ پر رحم کر۔

سالکان پر لازم ہے بارگاہ الٰہی میں محتاج، عاجزی سے دیتے ہوئے التجا کرتے رہیں باطن میں اخلاص اور ظاہر میں تسلیم ہو۔ اپنے عیوب کو دیکھتے اور محاسبہ کرتے رہیں اپنی نیکیوں کو بہت تھوڑا اور برائیوں کو بہت جانیں اگرچہ تھوڑی ہوں۔ حقیقت کی قبولیت اور شہرت سے ڈرتے رہیں حضور ﷺ کو جامع دعائیں پسند تھیں دعا میں غیر ضروری طوالت، تفصیل نہ کریں

شیخ سعدیؒ اور عشقِ رسولؐ

جواد رضا

شکر حق را کہ پیشوا داریم
پیشوا چوں مصطفےٰؐ داریم

(سعدیؔ)

حضرت شیخ سعدیؒ اپنی صدی کے ایک عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق شیخ سعدیؒ ۵۷۱ ہجری کو قصبہ طوس (شیراز) میں پیدا ہوئے۔

ان کا نام شرف الدین لقب مصلح الدین اور تخلص سعدیؔ تھا۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے بغداد کے مدرسہ نظامیہ سے تعلیم حاصل کی۔ ابو اسحاق شیرازیؒ اور مایہ ناز صوفی بزرگ حضرت امام ابن جوزیؒ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔

شیخ سعدیؒ کے دیگر کمالات کے علاوہ ان کی ”گلستان اور بوستان“ دو شہرہ آفاق کتابیں ہیں۔ جنہوں نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

”گلستان“ کے متعلق ایک روایت بھی ہے کہ ”گلستان“ کی شہرت عامہ دیکھ کر ایک بار حضرت علامہ جامیؒ نے بھی ”گلستان“ لکھنی شروع کی۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ دربار محمدیؐ لگا ہے اور وہ بھی اس دربار میں موجود ہیں اور جناب رسالت مآب ﷺ کے پیچھے حضرت شیخ سعدیؒ مورچھل جھل رہے ہیں۔ حضور رسول اکرم ﷺ نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا ”سعدیا بگو“

شیخ سعدیؒ سامنے آئے اور اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

ترجمہ: ''حضور ﷺ پہنچے بلندی پر اپنے کمال کے ساتھ، آپ ﷺ نے اندھیرے دور کیا اپنے جمال کے ساتھ، آپ ﷺ کی تمام عادات حسین ہیں، آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود''۔ (ﷺ)

دربارِ محمدی ﷺ میں حضور اکرم ﷺ کے اتنے قریب کھڑے ہو کر پڑھے جانے کا منظر دیکھ کر ایک بزرگ نے حضرت سعدیؒ کے قریب ہو کر آہستہ سے پوچھا۔

''کس وجہ سے آپ کو اتنا قرب حاصل ہوا''۔

اس کے جواب میں حضرت سعدیؒ نے اُن سے کہا ''**بلغ العلیٰ بکمالہ**'' کا نذرانہ پیش کرنے پر''۔ (واللہ اعلم) بہر حال وجہ جو بھی ہو، اس سے حضرت سعدیؒ کا صاحبِ حضوری ہونا اور ''**بلغ العلیٰ بکمالہ**'' کا منظورِ بارگاہ ہونا بالکل واضح ہے۔

اس نعتیہ رُباعی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے تین مصرعے لکھنے کے بعد حضرت شیخ سعدیؒ کو چوتھا مناسب مصرعہ نہ سوجھ رہا تھا۔ خواب میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چوتھا مصرعہ ''صلوا علیہ وآلہ'' پڑھا۔

شیخ سعدیؒ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر اور عاشقِ رسول ﷺ تھے بلکہ اُن کا روحانی مقام بھی بہت بلند ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا ''ایک دفعہ درس سے واپسی پر میرا ایک گلی سے گزر ہوا۔ اُس وقت میں خوب ذوق میں سعدیؒ شیرازی کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا۔

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است

جز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشو لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق

اتفاق کی بات ہے کہ چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اُتر گیا۔ یاد نہ آ رہا تھا۔ اچانک ایک فقیر منش بزرگ نمودار ہوا اور اُس نے مجھے لقمہ دیا کہ مصرعہ یہ ہے۔

علمے کہ راہِ حق ننماید جہالت است

میں نے کہا۔ "جزاک اللہ خیر جزاء" آپ نے مجھے پریشانی سے نجات دلائی۔ پھر میں نے اُن کی خدمت میں پان پیش کیا۔ وہ مسکرا کر بولے۔ "کیا یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے؟" میں نے عرض کیا۔ "جی نہیں، یہ تو بطور ہدیہ پیش کر رہا ہوں" فرمایا میں پان استعمال نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیئے میں نے جان لیا کہ یہ کسی اہل اللہ کی روح مبارک انسانی شکل میں جلوہ گر ہے۔ میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے آگاہ کر دیں تاکہ فاتحہ پڑھ لیا کروں۔ فرمایا "سعدی یہی فقیر ہے۔ (نفائس العاشقین۔ صفحہ ۱۱۱)

شیخ سعدیؒ بہت بڑے عالم، ولی، ناصح اور عاشق رسولؐ تھے۔ اور حقیقت ولی بزرگ وہی ہوسکتا ہے۔ جو عاشق رسولؐ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔

علم پڑھنے سے نہیں بنتا کوئی ولی
جب تک دل میں نہ ہو حبِ نبیؐ

علامہ اقبالؒ نے بھی کہا ہے۔

جانِ ایمان، فقر قرآں، رُوحِ دین
ہست حبِ رحمۃ للعالمین

حضرت شیخ سعدیؒ کا عشق رسولؐ اُن کے کلام سے جھلکتا نظر آتا ہے۔ آپ کہتے ہیں۔

من گدائے تو یا رسول اللہ
جانِ فدائے تو یا رسول اللہ

ترجمہ: "یا رسول اللہؐ، میں آپ کی درگاہ عالیہ کا ایک ادنیٰ فقیر ہوں اور میری جان حقیر آپؐ پر قربان ہے"۔

گر بچشمم بہ دیدہ سرمہ کشم
خاک پائے تو یا رسول اللہ ﷺ

ترجمہ: "یا رسول اللہ ﷺ میرے دل میں یہ حسرت موجزن ہے کہ مجھے حضور ﷺ کے قدموں کی خاک میسر آ جائے تو میں اس کو سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگاؤں"

کاش ہر موئے من زباں بودے
ورثنائے تو یا رسول اللہ ﷺ

ترجمہ: "یا رسول اللہ ﷺ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میرے رونگٹے آپ کی تعریف و توصیف بیان کرنے کیلئے زبان بن جاتے"

رحم ارحمین ـ ہم بخشد
بے رضائے تو یا رسول اللہ ﷺ

ترجمہ: "یا رسول اللہ ﷺ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ جس شخص سے آپ راضی نہ ہوں گے، اُس کو اللہ بھی معاف نہ فرمائیں گے"۔

سر نہادہ است بہ در ثنا سعدیؔ
در ہوائے تو یا رسول اللہ ﷺ

ترجمہ: "یا رسول اللہ ﷺ سعدیؔ نے نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنا سر آپ کی چوکھٹ پر رکھ دیا ہے، اس امید پر کہ آپ اس سے راضی ہو جائیں"۔

اس کلام سے شیخ سعدیؒ کا سرکار دو جہاں ﷺ سے عشق ظاہر ہوتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی محبت و عشق میں حضرت سعدیؒ کی کتاب ''کریمہ'' سے مزید شعر حاضر ہیں جو عشق رسول ﷺ کا بہترین مظہر ہیں

زباں تا بود در دہاں جائے گیر
ثنائے محمد ﷺ بود دلپذیر

ترجمہ: "زبان جب تک منہ میں قائم رہے گی، مجھ کو حضرت محمد ﷺ کی تعریف ہی دل پسند

رہے گی"۔

حبیب خدا اشرف انبیاء

کہ عرش مجید ش بود متکا

ترجمہ: "آپؐ خدا کے محبوب اور سب پیغمبروں سے افضل ہیں کہ عرش عظیم اُن کا تکیہ گاہ بنا"

مذکورہ بالا اشعار و دیگر واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعدیؒ بڑے عاشق و صاحب حضوری اور صاحب تصرف بزرگ تھے۔ حضرت شیخ سعدیؒ کی حکایات بھی کافی مشہور ہیں جو کہ اُن کی فصاحت و بلاغت، زہدیت کا مظہر ہیں۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے ۵ شوال المکرم ۶۹۱ھ کو شیراز میں وفات پائی۔ آپؒ نے تقریباً ۱۲۰ سال کی طویل عمر پائی۔

حضرت شیخ سعدیؒ کا مزار مقام دلکشا سے کچھ فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں ایک بہت بڑی مربع عمارت میں ہے۔ اور وہ مقام سعدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اہل شیراز ہفتہ میں ایک دن وہاں جاتے ہیں اور مزار پر فاتحہ خوانی کرنے کے علاوہ عاشق رسولؐ پر پھول بھی نچھاور کرتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت شیخ سعدیؒ کی شہرۂ آفاق و مقبول عام رباعی کی عربی، فارسی اور اردو میں کئی تضمینیں بھی لکھی گئی ہیں۔ لیکن درج ذیل فارسی تضمین بہت ہی ایمان افروز ہے۔

شاہنشاہ ارض و سما —————— بلغ العلیٰ بکمالہ

وصف رخ او والضحیٰ کشف الدجیٰ بجمالہ

قرآں سراپا خلق کراو —————— حسنت جمیع خصالہ

صدقاً یقیناً راسخاً —————— صلوا علیہ وآلہ

برداشت

جاوید چوہدری

یہ بہت ہی معمولی بات تھی۔ اشارے پر ٹریفک رکی، گاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر کھڑی ہو گئیں، پیچھے سے ایک موٹر سائیکل آئی، موٹر سائیکل پر دو نوجوان سوار تھے، ان دونوں نے موٹر سائیکل کو آگے لے جانے کی کوشش کی۔ موٹر سائیکل گاڑیوں سے اُلجھنے لگی، کسی گاڑی کا شیشہ ٹیڑھا ہو گیا، کسی کی باڈی پر لکیر پڑ گئی اور کسی کے دروازے کے ساتھ موٹر سائیکل کا پائیدان لگ گیا۔ گاڑیوں میں سوار تمام لوگوں نے ناپسندیدگی سے موٹر سائیکل سواروں کی طرف دیکھا لیکن نوجوان کسی کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے۔ آخری گاڑی میں چار نوجوان سوار تھے۔ موٹر سائیکل والے نوجوانوں نے اس گاڑی کو کراس کرنے کی کوشش کی لیکن جگہ بالکل نہیں تھی۔ لہٰذا موٹر سائیکل کا پائیدان گاڑی کے ساتھ لگ گیا۔ گاڑی میں سوار نوجوان نے شیشہ نیچے کیا اور موٹر سائیکل پر سوار نوجوانوں سے اُلجھ پڑے، موٹر سائیکل والے نوجوانوں نے جواب میں بدتمیزی کی اور یوں دونوں پارٹیوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ گاڑی والے نیچے اترے اور انہوں نے موٹر سائیکل والوں کو مارنا شروع کر دیا اور موٹر سائیکل والے ہیلمٹ پہن کر انہیں ٹکریں مارنے لگے اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے سڑک میدان جنگ بن گئی۔ میں یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا میں نیچے اُترا اور انہیں چھڑانے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہیں آئے۔ اتنے میں اشارہ کھل گیا اور گاڑیوں کے ہارن بجنا شروع ہو گئے۔ ہارنوں کی وجہ سے ماحول مزید خراب ہو گیا، پولیس آئی اور اس نے دونوں پارٹیوں کو گرفتار کر لیا۔ میں گاڑی میں بیٹھا اور آگے نکل گیا لیکن یہ واقعہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے میری یادداشت کا حصہ بن گیا۔

میں اس دن سے سوچ رہا ہوں یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ مجھے ہر بار جواب ملتا ہے برداشت کی کمی کے باعث۔ ہم نے گزشتہ 62 برسوں کے دوران بے شمار چیزیں کھو دی ہیں لیکن ہمارا سب

سے بڑا نقصان برداشت کی کمی ہے۔ ہم سب میں برداشت، دوسرے کی بات کو تسلیم کرنا، اختلاف رائے کو سہہ جانا اور غصے کو پی لینا جیسے جذبے ہی ختم ہو گئے ہیں۔ ہم سب لوگ آگ کا گولہ بن گئے ہیں اور جونہی کوئی ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے تو ہم اس کو جلا کر راکھ کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں چنانچہ پورا ملک بھٹی بن کر رہ گیا ہے۔ برداشت ہوتی کیا ہے؟ یہ ایک بہت بڑا سبجیکٹ ہے اور ہم اسے چند مثالوں ہی سے ثابت کر سکتے ہیں۔ صدر ایوب خان پاکستان کے پہلے ملٹری ڈکٹیٹر تھے، وہ روزانہ سگریٹ کے دو بڑے پیکٹ پیتے تھے، روز صبح ان کا بٹلر سگریٹ کے دو پیکٹ ٹرے میں رکھ کر ان کے بیڈ روم میں آ جاتا تھا اور صدر ایوب صاحب سگریٹ سلگا کر اپنی صبح آغاز کرتے تھے۔ وہ ایک دن مشرقی پاکستان کے دورے پر تھے، وہاں ان کا بنگالی بٹلر انہیں سگریٹ دینا بھول گیا، جنرل ایوب خان کو شدید غصہ آیا اور انہوں نے بٹلر کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ جب ایوب خان گالیاں دے دے کر تھک گئے تو بٹلر نے انہیں مخاطب کر کے کہا "جس کمانڈر میں اتنی برداشت نہ ہو وہ فوج کو کیا چلائے گا، مجھے پاکستانی فوج اور اس کا مستقبل خراب دکھائی دے رہا ہے"۔ بٹلر کی بات ایوب خان کے دل پر لگی، انہوں نے اس وقت سگریٹ ترک کر دیا اور پھر باقی زندگی سگریٹ کو ہاتھ نہ لگایا۔ آپ نے رستم زمان گاما پہلوان کا نام سنا ہو گا۔ ہندوستان نے آج تک اس جیسا دوسرا پہلوان پیدا نہیں کیا، ایک بار ایک کمزور سے دکاندار نے گاما پہلوان کے سر میں وزن کرنے والا باٹ مار دیا۔ گامے کے سر سے خون کے پھوارے پھوٹ پڑے، گامے نے سر پر مفلر لپیٹا اور چپ چاپ گھر لوٹ گیا۔ لوگوں نے کہا "پہلوان صاحب آپ سے اتنی کمزوری کی توقع نہیں تھی، آپ دکاندار کو ایک تھپڑ مار دیتے تو اس کی جان نکل جاتی"۔ گامے نے جواب دیا "مجھے میری طاقت نے پہلوان نہیں بنایا، میری برداشت نے پہلوان بنایا ہے اور میں اس وقت تک رستم زمان رہوں گا جب تک میری قوت برداشت میرا ساتھ دے گی"۔ قوت برداشت میں چین کے بانی چیئرمین ماؤزے تنگ اپنے دور کے تمام لیڈرز سے آگے تھے، وہ 75 سال کی عمر میں سردیوں کی رات میں دریائے

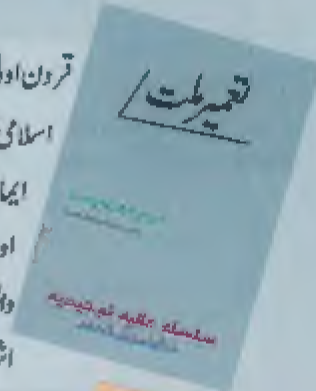
شنگھائی میں سوئمنگ کرتے تھے اور اس وقت پانی کا درجہ حرارت منفی دس ہوتا تھا۔ ماؤ انگریزی زبان کے ماہر تھے لیکن انہوں نے پوری زندگی انگریزی کا ایک لفظ نہیں بولا۔ آپ ان کی قوت برداشت کا اندازہ لگایئے کہ انہیں انگریزی میں لطیفہ سنایا جاتا تھا، وہ لطیفہ سمجھ جاتے تھے لیکن خاموش رہتے تھے لیکن بعدازاں جب مترجم اس لطیفے کا ترجمہ کرتا تھا تو وہ دل کھول کر ہنستے تھے۔ قوت برداشت کا ایک واقعہ ہندوستان کے پہلے مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر بھی سنایا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے انہوں نے زندگی میں صرف ڈھائی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ان کی پہلی کامیابی ایک اژدھے کے ساتھ لڑائی تھی، ایک جنگل میں بیس فٹ کے ایک اژدھے نے انہیں جکڑ لیا اور بابر کو اپنی جان بچانے کیلئے اس کے ساتھ بارہ گھنٹے اکیلے لڑنا پڑا۔ ان کی دوسری کامیابی خارش تھی۔ انہیں ایک بار خارش کا مرض لاحق ہوگیا، خارش اس قدر شدید تھی کہ وہ جسم پر کوئی کپڑا نہیں پہن سکتے تھے۔ بابر کی اس بیماری کی خبر پھیلی تو ان کا دشمن شیبانی خان ان کی عیادت کیلئے آ گیا۔ یہ بابر کیلئے ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ وہ بیماری کی حالت میں اپنے دشمن کے سامنے جائے۔ بابر نے فوراً پورا شاہی لباس پہنا اور بن ٹھن کر شیبانی خان کے سامنے بیٹھ گیا، وہ آدھا دن شیبانی خان کے سامنے بیٹھے رہے، پورے جسم پر شدید خارش ہوئی لیکن بابر نے خارش نہیں کی۔ بابر ان دونوں واقعات کو اپنی دو بڑی کامیابیاں قرار دیتا تھا اور آدھی دنیا کی فتح کو اپنی آدھی کامیابی کہتا تھا۔

دنیا میں لیڈرز ہوں، سیاستدان ہوں، حکمران ہوں، چیف ایگزیکٹو ہوں یا عام انسان ہو ان کا اصل حسن ان کی قوت برداشت ہوتی ہے۔ دنیا میں کوئی شارٹ ٹمپرڈ، کوئی غصیلہ اور کوئی جلدباز شخص ترقی نہیں کر سکتا۔ دنیا میں معاشرے، قومیں اور ملک بھی صرف وہی آگے بڑھتے ہیں جن میں قوت برداشت ہوتی ہے۔ جن میں دوسرے انسان کی رائے، خیال اور اختلاف کو برداشت کیا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک، ہمارے معاشرے میں قوت برداشت میں کمی آتی جارہی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص ہر وقت کسی نہ کسی شخص سے لڑنے کیلئے تیار بیٹھا ہے۔ شاید

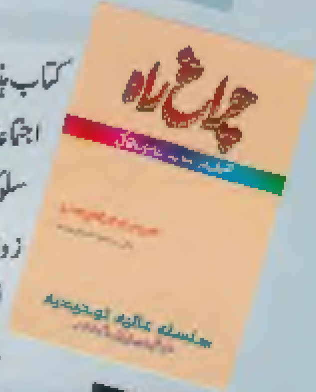
قوت برداشت کی بیدکمی ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں دنیا میں سب سے زیادہ قتل اور سب سے زیادہ حادثے ہوتے ہیں لیکن یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہم اپنے اندر برداشت پیدا کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب ہاں ہے اور اس کا حل رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہے۔ ایک بار ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے زندگی کو پرسکون اور خوبصورت بنانے کا کوئی ایک فارمولا بتا دیجئے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "غصہ نہ کیا کرو"۔ آپؐ نے فرمایا "دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اول وہ لوگ جو جلدی غصے میں آجاتے ہیں اور جلد اصل حالت میں واپس آجاتے ہیں۔ دوم وہ لوگ جو دیر سے غصے میں آتے ہیں اور جلد اصل حالت میں واپس آجاتے ہیں اور سوم وہ لوگ جو دیر سے غصے میں آتے ہیں اور دیر سے اصل حالت میں لوٹتے ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ان میں سے بہترین لوگ دوسری قسم کے لوگ ہیں جبکہ بدترین تیسری قسم کے انسان"۔ غصہ دنیا کے 90فیصد مسائل کی ماں ہے اور اگر انسان صرف غصے پر قابو پالے تو اس کی زندگی کے 90فیصد مسائل ختم ہو سکتے ہیں۔ برداشت دنیا کی سب سے بڑی اینٹی بائیوٹک اور دنیا کا سب سے بڑا ملٹی وٹامن ہے۔ آپ اپنے اندر صرف برداشت کی قوت پیدا کر لیں تو آپ کو ایمان کے سوا کسی دوسری طاقت کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ انسان اکثر اوقات ایک گالی برداشت کر کے سینکڑوں گالیوں سے بچ سکتا ہے اور ایک بری نظر کو اگنور کر کے دنیا بھر کی غلیظ نظروں سے محفوظ رہا جاتا ہے۔ آج کے بعد آپ کو جب بھی غصہ آئے تو فوراً اپنے ذہن میں اللہ کے رسول ﷺ کے یہ الفاظ لے آیئے۔ آپؐ نے فرمایا تھا "غصہ نہ کیا کرو"۔ مجھے یقین ہے اللہ کے رسول کے یہ الفاظ آپ کی قوت برداشت میں اضافہ فرما دیں گے۔

(بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس)

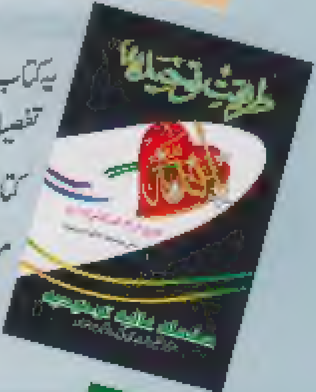
بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے انمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انھیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجودؒ کے موضوع پر یہ مختصری کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net